تاریخی الوّ

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

Tareekhi Ulloo

Akram Allahabadi

جاسوسی دائرہ سیریز

تاریخی الّو

اکرم الہ آبادی

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں ۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے ۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی ۔

اس ناول کی دوبارہ اعشاعت ، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی ۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی ۔انڈیا

Akram Allahabadi

جنگل میں لاش

"میرا خیال ہے کہ کوئی گدھا مار کر حلال کر لیجئے۔ شہر میں چل کر کہہ دیں گے ہرن مار کر لائے ہیں شکار سے۔" تنویر نے جھنجھلا کر اپنی بندوق کا کُندہ پاس پڑی ہوئی ٹیکٹی چٹان پر ٹیکتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے چار سو بیسیت تمہیں خاندانی ورثے میں ملی ہے۔" سپرنٹنڈنٹ خان نے آسمان میں اُڑتی ہوئی چیلوں کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بدقسمتی سے مجھے خاندان والوں سے زیادہ آپ کی صحبت نصیب ہوتی ہے۔"

"آدمی بن جاتے۔"

"آپ سے دور رہ کر۔"

"تو دور ہو جاؤ نا مردود۔ مجھے تو شکار کھیلنا ہے۔"

"ایک مشورہ دوں۔"

"فرمایئے۔"

"آپ افریقہ چلے جایئے۔ یہاں کے شریف جانور تو آپ کے قدم رکھتے ہی جنگل سے تڑی پار ہو گئے ہیں۔"

"وہ چیلیں جو اُڑ رہی ہیں، ضرور اُدھر کچھ آبادی ہو گی۔"

"یعنی یہ شکار کی ہوا بدل کر آبادی تک پہنچ گئی۔"

"مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ٹفن کیریر میں کچھ نہیں ہے کیا؟"

"وہ پٹھو بابا لے سب کھا گیا ہو گا۔ گیا کہاں کمبخت؟"

Akram Allahabadi

"آپ کا تو لاڈلا ہے۔ اچھا ہے بھگتئے۔" تنویر نے جلے ہوئے انداز میں رُخ پھیر کر کہا۔

"ازلی دشمنی ہے نا تمھاری۔"

"مجھے تو اس سُور کی صورت سے بھی نفرت ہے۔"

"کیا کہا مری جان۔" پیچھے سے بالے کی آواز آئی۔ وہ کسی مہذب قلی کی طرح ناشتے دان کو کاندھے پر پڑے ہوئے اس بیلٹ میں لٹکائے ہوئے تھا جس میں ایک فوجی کٹ کے قسم کا چوکور کینوس کا بیگ کسا ہوا تھا اور اس کے کونے سے ایک لوٹے کی ٹونٹی جھانک رہی تھی۔

"یہ کیا بیہودہ مذاق ہے۔" خان نے اسے ڈانٹا۔

"اے اللہ تو میں نے کونسا ایسا ویسا کہدیا۔ لو اور سنو بوا۔" بالے نے کچھ اس مسخرے انداز سے انگلی نچا کر یہ جملہ ادا کیا کہ خان اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ لیکن بالے ایسی نظروں سے تنویر کو دیکھ رہا تھا کہ وہ اور چڑ گیا۔

"حرامخور ...... تم بہت بے لگام ہوئے جارہے ہو۔" تنویر اس پر گھونسہ تان کر دوڑا۔

"ابے او خرافاتی جرنلسٹ ...... تو یار آدمی ہے یا اخروٹ۔ ہم سیدھا سادھا بات بولتا ہے تو تم کاٹنے کو دوڑتا ہے۔" وہ بمبئی والی زبان میں اس سے لڑنے لگا۔

"بکواس بند کرو۔ بالے تم ان تینوں کو بلا لاؤ۔ ہم ادھر گھاٹی کی طرف چل رہے ہیں۔ شاید کوئی بستی ہے وہاں۔" وہ آسمان میں پرواز کرتی ہوئی چیلوں کی طرف اشارہ کرکے نیچے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بہت اچھا صاحب۔ یہی تو ایک اُلّو کا پٹھا ہے خدمت گذاری کو۔" یہ کہہ کر بالے تنویر پر ایک قہر آلود نظر ڈالتا ہوا اسی راستے واپس لوٹ گیا جس راستے وہ آیا تھا۔

"چلو نیچے چلیں۔" خان نے بندوق سنبھالی اور اس کے کندے کو اونچی نیچی چٹانوں

Akram Allahabadi

پر ٹیکتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ تنویر اس کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں یکساں شکاری لباس پہنے تھے۔ بڑی جیبوں والے خاکی ترکش کوٹ اور خاکی برجیس اور سروں پر ہیٹ جو چپٹے چرمی فیتے کے ساتھ مسلّط تھے اور پیروں میں انھوں نے سانبھر کی کھال کے لانگ بوٹ پہن رکھے تھے۔ بالے کا لباس ان سے مختلف تھا۔ وہ محض تنویر کی ضد کے مارے بجائے برجیس کے سفید پتلون پہن کر آیا تھا جو اس جنگل میں یہاں وہاں بیٹھتے اور گھومتے اب تک کافی میلی ہو چکی تھی۔ ان کے تین دوسرے ساتھی جو پیچھے رہ گئے تھے اپنے اپنے مختلف لباسوں میں تھے۔ ابھی یہ لوگ نصف ڈھلوان طے کر پائے تھے کہ بالے ان لوگوں کو ساتھ لے کر اوپر سے اترتا نظر آیا۔

یہ علاقہ پہاڑی تھا۔ یہاں کے جنگل نہ زیادہ گھنے تھے نہ چھترے ہوئے، لیکن شہر سے تقریباً ۲۵ میل دور یہ مقام اپنی ویرانی میں بھی ایک کشش رکھتا تھا۔ کبھی کبھی یہاں بڑے جانور بھی مل جاتے تھے۔ ویسے عام طور پر ہرن نیچے گھاٹی کی جھیل اور اطراف کے میدانوں میں شکار کو ملتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کبھی کبھی دن دن بھر گھوم کر اور راتوں کو جھیل یا میدانوں کے کنارے چھپ چھپ کر ان کا انتظار کرنے کے باوجود ایک بھی ہرن نہ ملتا اور بیچارے شکاریوں کو خرگوش وغیرہ پر اکتفا کرنا پڑتا تھا۔

چھ آدمیوں کی یہ پارٹی شہر سے رات کو تین بجے ہی نکل پڑی تھی۔ وہ سوا چار بجے تک اپنی کار میں یہاں پہنچ گئے تھے اور اسٹو پر صرف چائے تیار کر کے بسکٹوں کے ساتھ ہلکا ناشتہ کرنے کے بعد سے بندوقیں لئے شکار کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ خان اودے پور میں پچھلے دو سالوں سے تعینات تھے۔ لیکن دو سال کے اس مختصر عرصہ میں اس نے سارے راجستھان پر اپنی دھاک بٹھا دی تھی۔ جرائم پیشہ لوگ اس کے نام سے کانپنے لگے تھے اور شہری زندگی میں قانون کا احترام پوری طرح بحال تھا۔ اس کے تجربہ و صلاحیتوں کی بنا پر اسے یہاں جو ذمہ دار حیثیت ملی تھی اس میں پولیس کا بڑے سے بڑا افسر بھی مخل نہ ہوتا تھا بلکہ سب اس کی عزت کرتے تھے۔ ویسے بھی یہاں کی پرانی ریاستی پولیس صرف سیدھے سادھے

Akram Allahabadi

جرائم سے نپٹتی آئی تھی ۔ وہ اوسط ڈیل ڈول کا ایک گورا چٹا خوبصورت آدمی تھا ۔ عمر کوئی ۲۹ ۔ ۳۰ کے لگ بھگ تھی ۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ ایک خوشگوار مسکراہٹ نمایاں رہتی تھی ۔ اس کے بے تکلف ساتھی تنویر بھی اکہرے جسم کا خوبرو نوجوان تھا ۔ وہ جرنلسٹ تھا ۔ پہلے وہ خود اپنا ایک ہفتہ وار سنسنی خیز اخبار نکالا کرتا تھا لیکن اپنی لاپرواہی سے اس کا دیوالیہ کرنے کے بعد وہ انگریزی روزنامہ " آبزرور" کا سینئر رپورٹر بن گیا تھا اور اس کام میں کیونکہ اسے بڑی حد تک آزادی اور خودمختاری ملی ہوئی تھی اس لئے وہ اسے زیادہ دلچسپی سے کرتا ۔ اس کا زیادہ تر وقت سپرنٹنڈنٹ خان کے ساتھ ہی گزرتا تھا ۔ سارجنٹ بالے دہلی سے دھماکہ خیز ہتھیاروں اور دوسرے ایسے تباہ کن طریقوں کی سراغرسانی کی تربیت پا کر یہاں خان کے ساتھ ہی پوسٹ کیا گیا تھا ۔ ان کا ساتھ بہت پرانا تھا ۔ " شبانہ کی روح" کے پراسرار اور " ڈاکٹر سلازار" کے تہلکہ خیز ہنگاموں میں یہ اہم رول ادا کر چکے تھے ۔ ان دونوں کیسوں نے ان کو کافی مستعد اور نڈر بنا دیا تھا ۔ ان کے دوسرے ساتھیوں میں شہر کے دو تاجروں کے لڑکے اور ایک آئی جی پولیس کا ہیڈ کلرک تھا ۔ وہ شکار کے بہت دلدادہ تھے اور بقدر فرصت مہینے میں کم از کم ایک بار یہ گروپ کہیں نہ کہیں شکار کھیلنے کا پروگرام ضرور بناتا تھا ۔ اور اب کی بار ان کا پروگرام تندریا کے جنگل کے لئے تھا جو پہاڑی ٹیلوں اور خاردار جھاڑیوں والے نشیبی میدانوں پر مشتمل تھا ۔

اب تک سارجنٹ بالے نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے صرف دو خرگوش اور تقریباً ایک نیولے کا شکار کیا تھا ۔ شام ہونے میں ابھی کافی دیر تھی اور حد نظر تک پھیلے ہوئے اس چھترے جنگل میں وہ کسی بڑے شکار کے نہ ملنے سے تقریباً مایوس ہو گئے تھے ۔ خان اور تنویر کو زیادہ چائے پینے کی عادت تھی اور دوپہر کے بعد انھیں بھوک بھی شدت سے محسوس ہو رہی تھی ۔ اس لئے خان نے آگے بڑھنے کا پروگرام ملتوی کر کے اندازے کے مطابق اس نشیبی بستی کی طرف رخ کیا جو اس کے خیال میں ان گھنے میدانی درختوں کی اوٹ میں چھپی ہو گی جن کے اوپر آسمان میں چیلیں اور گدھ منڈلا رہے تھے ۔ ڈھلوان مخدوش ضرور تھی لیکن وہ پتلے پتلے

Akram Allahabadi

درختوں کے تنے پکڑ پکڑ کر آسانی سے نیچے اتر رہے تھے۔ پیچھے سے بالے اور دوسرے ساتھی بھی آ رہے تھے۔

تقریباً دس پندرہ منٹ میں وہ نیچے پہنچ گئے۔ یہاں ایک نالے کا گڑھے دار کٹاؤ تھا جس کا پانی بالکل خشک ہو چکا تھا مگر جب ان کے قدموں کی کھڑکھڑاہٹ سن کر اس میں سے ایک جنگلی سیار نکل کر بھاگا تو بالے "ہرن ہرن" چیخ کر اس پر نشانہ باندھنے لگا۔۔

"واقعی بڑے زبردست شکاری ہو۔" خان نے مسکرا کر دور سے ہی طنز کیا۔

"کمبخت دن کا اندھا ہے۔ اسے سیار اور ہرن میں تمیز ہی نہیں۔" تنویر سے نہ رہا گیا وہ بھی بول اٹھا۔ بالے کے کانوں تک بھنک پہنچ گئی۔

"آپ نے کچھ فرمایا؟" وہ تنویر کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"جو آپ نے سنا۔" تنویر نے یہ کہہ کر رخ دوسری طرف کر لیا۔

خان ان سے کچھ آگے گھنی جھاڑیوں سے گذر کر ایک نشیبی پتھریلی چٹان کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ بالے نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔" تنویر نے بات ٹال دی اور آگے بڑھ گیا۔

"ڈر گیا۔" بالے آہستہ سے مسکرا کر بولا۔

تنویر پلٹنے ہی والا تھا کہ اسے خان کی آواز سنائی دی۔ وہ انھیں پکار رہا تھا۔

"پھر دیکھوں گا بیٹے۔" وہ یہ کہہ کر تیزی سے ان ہی جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگا۔

"پھر یعنی کہ آج کے دن سورداس ہو۔" وہ پیچھے سے بولا۔ لیکن تنویر اتنی دیر میں جھاڑیوں سے گذر کر خان کے پاس پہنچ چکا تھا۔

وہ لوگ بھی قریب پہنچنے پر چونک پڑے۔ خان ایک انسانی لاش کے سرہانے کھڑا تھا، جو ایک پتھر کے بڑے ٹکڑے کے پاس پڑی تھی۔

"چچ، چچ، کوئی دیہاتی تھا بیچارہ۔" بالے نے اظہار افسوس کیا۔

"اوپر سے گر گیا ہوگا۔" دوسرے ساتھی نے رائے دی۔ مگر خان غور سے اس کے چہرے اور سر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے جسم پر گاڑھے لٹھے کی ایک آدھی آستینوں والی بنڈی اور نچلے حصہ میں ایک میلی سی پرانی دھوتی تھی۔ وہ ننگے پیر تھا۔ اس کے سر کی پگڑی کچھ دور پڑی تھی۔ خون سے اس کے کپڑے بھیگ کر خشک ہو چکے تھے لیکن اس کے سینہ کے پاس ایک غار تھا جسے دیکھ کر ان لوگوں نے کچکچا کر منہ پھیر لیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ گدھوں اور چیلوں نے نوچ ڈالا ہے۔" تنویر بولا۔

"یہ واردات رات کے آخری حصے اور سویرے کے درمیان ہوئی ہے۔ یا ممکن ہے سویرا ہوتے ہی ہوئی ہو۔" خان بڑبڑایا۔

"واردات یا حادثہ۔" بالے اچھل کر بولا۔

"واردات اور وہ بھی قتل کی۔" خان نے دبی زبان میں کہا۔

"قتل؟" وہ سب اچھل پڑے

"مقتول کو دیہاتی کپڑے پہنائے گئے ہیں۔ حالانکہ دیہاتی معلوم نہیں ہوتا۔" اس نے ان کی حیرت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔

"واہ، صاف دیہاتی نظر آرہا ہے۔ وہ دیکھئے اس کی لاٹھی بھی پڑی ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اور اس کی موت اوپر سے گر کر بھی واقع نہیں ہوئی۔ اسے یہیں یا کہیں اور ہلاک کر کے یہاں ڈالا گیا ہے تا کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اوپر سے گر کر مر گیا۔"

"وہ کیسے۔"

"اگر یہ اوپر سے گرتا تو پہلے اس پتھر سے ٹکراتا اور اس کا سر اور بدن چور چور ہو جاتا لیکن اس کا سر اس طرح زخمی ہوا ہے جیسے اسے کسی چیز کی ضرب سے زخمی کیا گیا ہو۔ میرے خیال میں اس کی موت سینے کے اس حصہ میں خنجر یا کچھ اور مارنے سے واقع ہوئی ہے جسے ہم

چیلوں اور گدھوں کا کھایا ہوا سمجھتے ہیں۔"

"مگر چیلیں اور گدھ منڈ لاتو رہے تھے اوپر۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ خون سویرے کے اوقات میں ہوا ہے۔لاش تازہ تھی اس لئے وہ مردہ خور قریب نہیں آئے۔دیکھتے نہیں، ابھی نہ بدن پھولا ہے نہ سڑنے کے آثار ہیں۔"

"بھئی بہت سوچا۔" ایک ساتھی پیچھے سے بول اٹھا۔

"لیکن اس کے دیہاتی نہ ہونے کی وجہ کیا ہے۔"

"اس کا صاف چہرہ۔اس کے سر کے بال جو انگریزی طرز پر کل پرسوں ہی تراشے گئے ہوں گے۔یقیناً ایسے بال بنانے والے باربر گاؤں تو دور شہر میں بھی خاص خاص دکانوں ہی میں ملتے ہیں۔" خان نے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کام سے شہر گیا ہو اور شوقین مزاج ہونے کی وجہ سے وہیں سے بال کٹوا کر آیا ہو۔" تنویر بولا۔

"یہی تو چیز شبہ میں ڈال رہی ہے کہ ایک شہری کو یہ دیہاتی لباس پہنانے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔قاتل یقیناً زیادہ عقلمند نہ تھا۔" خان نے جواب دیا۔

"میں بال کٹوانے کی بات کہہ رہا ہوں۔" تنویر نے دہرایا۔

"تمھاری آنکھیں ہیں یا بٹن۔یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی قلمیں امریکی طرز پر ترچھی کٹی ہوئی ہیں۔اس سے اس کے سو فیصدی ایک شہری سوسائٹی کا تعلیم یافتہ ہونا یا کم سے کم نفاست پسند ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔اس ویران پہاڑی علاقہ کی چھوٹی چھوٹی بستیوں تک ابھی امریکی تہذیب نہیں پہنچی ہے۔" خان نے تنویر کو جھاڑ سنائی۔

"خدا اس لعنت کو یہاں تک نہ لائے۔" تنویر نے سو فیصدی مصلحانہ انداز میں کہا۔

"لیکن یہ واردات قتل کیسے ثابت ہوسکتی ہے؟"

Akram Allahabadi

"یہ تمام باتیں ہمارے شبہ کے لئے کافی ہیں۔اس لاش کو شہر لے چلنا چاہئے کیونکہ پوسٹ مارٹم سے پتہ چل جائے گا کہ گولی ماری گئی ہے یا خنجر۔"

"تو کیا آپ کو یہاں تک یقین ہے؟" ایک نے سوال کیا۔

"دیکھتے نہیں جس جگہ وار کیا گیا ہے وہاں کا گوشت دانستہ کاٹ دیا گیا ہے تاکہ ہمیں کسی جانور کے حملے کا بھی مغالطہ ہو سکے حالانکہ کسی بھی خونخوار جانور کا پہلا حملہ اس کی گردن پر ہونا چاہئے۔اسے ضرور کسی بھی مقام پر ہلاک کر کے یہاں لا ڈالا گیا ہے اور اگر اتفاق سے ہم لوگ ادھر نہ آنکلتے تو دوسرے لوگ اس لاش کی پراسرار نوعیت کو نہ سمجھ کر کبھی کا اسے ٹھکانے لگا دیتے یا جنگلی جانور ادھر آ کر اسے کھا ڈالتے۔"

"یا چیل کوے نوچ ڈالتے۔" چوتھے ساتھی نے بھی ایک جملہ ادا کر دیا، جس پر سب مسکرا کر رہ گئے اور وہ خفیف سا ہو گیا۔

ان گھنے درختوں کے اس پار تقریباً دو ڈھائی میل پر ایک چھوٹی سی بستی تھی، جہاں گنتی کی آٹھ دس جھونپڑیاں بنی تھیں۔ایک کنواں تھا جس پر جرس چل رہا تھا۔ایک باغ اور آس پاس بکھرے ہوئے ہرے بھرے کھیت تھے۔

یہاں سے ایک آٹھ فٹ چوڑی کچی سڑک پہاڑی ٹیلوں کے گرد گھومتی ہوئی جنگل کے ایک سرے سے نکل کر اس مقام تک پہنچتی تھی جہاں ڈاک بنگلہ تھا اور جہاں یہ لوگ اپنی کاریں کھڑی کر کے آئے تھے۔تنویر کے پاس کیمرہ تھا جو وہ قدرتی مناظر کی تصویریں لینے کے لئے ساتھ لایا تھا۔مگر ان کی بجائے اسے اس مقام کی جہاں لاش پائی گئی تھی اور اس لاش کی مختلف تصویریں لینی پڑیں۔

"یہ سارے پیسے وصول کر لوں گا فلم کے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا بولا۔

"کیوں کیا تمہارے اخبار کے لئے سنسنی خیز خبر نہ ہوگی۔" خان نے کہا۔

"کیا پتہ کمبخت اپنی موت مرا ہے یا یہ مارا گیا ہے۔ویسے میں یہی لکھ دوں گا کہ

کیونکہ سپرنٹنڈنٹ خان کا خیال ہے اس لئے اسے جنگل کے بھوتوں نے قتل کر دیا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں، خود قائل ہو جاؤ گے بیٹے۔" خان یہ کہہ کر مسکرا دیا۔

گاؤں والوں سے بھی اس لاش کے بارے میں باز پرس کی گئی۔ انھوں نے کسی ایسے آدمی کو پہچاننے سے قطعی لاعلمی ظاہر کی۔

Akram Allahabadi

پروفیسر ارسلان مرزا

سپرنٹنڈنٹ خان کا خیال صحیح نکلا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ثابت ہو گیا کہ مقتول کی موت پہاڑ سے گر کر یا کسی اور حادثہ سے نہیں ہوئی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے کیونکہ اس کے سینے میں اندر کسی دھاردار چیز کے تین انچ گہرے زخم کا نشان صاف موجود تھا جسے اوپر سے بگاڑ دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر کے اندازے کے مطابق یہ خون ۱۲ گھنٹے پہلے کسی دھاردار دو پھل کے آلے یا چاقو سے کیا گیا تھا اور چونکہ اس کا زخم دل تک پہنچ گیا اس لئے ایک ہی وار سے مقتول کی موت واقع ہو گئی۔ مقتول کی لاش سے کچھ دور پڑی ہوئی جو لاٹھی جنگل میں ملی تھی اس پر کوئی فنگر پرنٹ یا کسی قسم کے نشانات نہیں تھے اور وہاں کی زمین پتھریلی اور کہیں جھاڑی دار ہونے کی وجہ سے قدموں کے نشانات کا امکان ہی نہ تھا۔ لاش اب تک پہچانی نہ جا سکی تھی۔ حالانکہ سپرنٹنڈنٹ خان کو اب بھی یقین تھا کہ مقتول شہر کی کسی اچھی سوسائٹی سے تعلق رکھتا تھا۔

دوپہر کا کھانا تنویر نے خان کے ساتھ ہی کھایا اور یہیں سے سول لائنز کی طرف چلنے کا پروگرام بن گیا۔ سارجنٹ بالے کو خان سویرے سے ہی کسی خاص کام پر بھیج چکا تھا۔ ان کی کار پہلے کوئنز روڈ کے چوراہے پر ٹھہری۔ یہاں باربروں کے دو سیلون آمنے سامنے تھے۔ ایک پر 'نادرہ ہیر کٹنگ' کا بورڈ لگا تھا دوسرے پر 'بیسٹ ہیر ڈریسرز'۔

تنویر کو خان نادرہ ہیر کٹنگ میں بھیج کر خود بیسٹ ہیر ڈریسرز میں گھس گیا۔ اندر سے یہ سیلون کافی شاندار تھا۔ داہنے ہاتھ پر قد آدم آئینے لگے تھے۔ بائیں ہاتھ پر قطار میں چار پانچ اونچی کرسیاں جن کے سامنے ایک لمبی ڈریسنگ ڈسک میں پانچ آئینے نصب تھے۔ ایک قطار میں آٹھ کرسیاں پڑی تھیں اور ان سے ملی ہوئی ایک تپائی پر صبح کے اخبارات رکھے تھے۔ اتفاق سے اس وقت سیلون میں سناٹا تھا اور باربر اندر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ خان کو دیکھتے ہی ان

Akram Allahabadi

میں سے ایک اٹھ کھڑا ہوا۔

"صاحب کٹنگ یا شیونگ؟"

"صرف شیونگ۔" یہ کہہ کر خان نے اس کے تیار ہونے تک تپائی سے ایک اخبار اٹھا لیا اور اونچی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ آج کا 'راجستھان آبزرور' تھا جس کی کاپی وہ سویرے ہی دیکھ چکا تھا۔ تنویر نے اس میں کل کے واقعہ کی پوری رپورٹ "جنگل میں ایک پراسرار لاش" کے عنوان سے دی تھی اور خان کے خیالات کا بھی مبہم طریقہ پر اظہار کرتے ہوئے لکھ دیا تھا کہ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ اس نے اخبار پر سرسری نظر ڈال کر اسے ایک طرف رکھ دیا۔ باربر اس کی داڑھی پر صابن لگانے لگا۔

"تم امریکن اسٹائل ترچھی قلموں والی کٹنگ بھی کر لیتے ہو۔" خان نے پوچھا۔

"صاحب اپنے یہاں سے اچھی تو یہاں کہیں ہوتی بھی نہیں۔" باربر نے اپنی بڑائی ہانکی۔

"اسے پہچانتے ہو۔ کہیں دیکھا ہے۔" خان نے یہ کہتے ہوئے جیب سے مقتول کی تصویر نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ لیکن وہ اسے صرف اس لاش کا چہرہ دکھا رہا تھا۔ باقی حصہ اس نے چھپا رکھا تھا۔

"یہ... یہ۔" باربر گلے میں اٹکا ہوا تھوک نگلنے لگا۔

"ہاں ہاں یاد کرو۔ وہ ضرور یہیں بال کٹاتا ہوگا اپنے۔" خان نے اسے ہمت دلائی۔

"آپ انھیں نہیں جانتے؟ تعجب ہے۔" باربر نے تصویر دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا۔

"کون ہے یہ؟"

"یہ پروفیسر صاحب ہیں۔ بھلا سا نام ہے ان کا... مجھے یاد نہیں پڑ رہا ہے۔" وہ استرا روک کر ذہن پر زور دینے لگا۔

Akram Allahabadi

"پروفیسر۔" خان نے چونک کر دہرایا۔

"آں... یاد آیا۔ پروفیسر ارسلان مرزا..." باربر کو پورا نام یاد آ گیا۔

"ارسلان مرزا، پروفیسر؟" خان بڑبڑایا۔

"صاحب شیونگ۔" باربر نے اس فضول کے تذکرے سے اکتا کر کہا۔

"تم نے انھیں اب سے پہلے کب دیکھا تھا۔"

"کب دیکھا تھا...؟" ارے صاحب وہ پرسوں ہی تو یہاں سے بال کٹا کر گئے ہیں۔ مگر..." وہ یہ کہتے کہتے غور سے خان کی صورت دیکھنے لگا۔ خان نشست چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"صاحب شیونگ؟" اس نے اپنا جملہ دہرایا۔

"پھر کبھی، اس وقت ایک ضروری کام ہے۔" یہ کہہ کر وہ شیونگ کی چوتی اس کی ڈسک پر رکھ کر اپنا ہیٹ سنبھالتا ہوا چلنے لگا۔

"ادھر آؤ۔" اس نے آہستہ سے باربر کو ایک طرف بلایا اور دس کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تم یہ بھول جاؤ کہ تمھیں کسی نے ایک تصویر دکھا کر کسی کے بارے میں کچھ پوچھا تھا۔" وہ رعب دار لہجہ میں بولا۔

"مگر یہ روپے میں کیا کروں گا۔" باربر نے اس طرح کہا جیسے دس روپیوں کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

"تو پھر یہ چاہیے تمھیں؟" خان نے کوٹ کے اندر کی جیب کے نیچے لٹکے ہوئے چمڑے کے کور سے پستول کو ابھار کر اس کی صرف نال باربر کو دکھائی۔ وہ خوفزدہ ہو گیا۔

"بس ایک لفظ اور تمھاری موت۔" وہ کسی خوفناک مجرم کی طرح بولا۔

"سمجھ گیا۔ سمجھ گیا صاحب۔" باربر نے گھبرا کر کہا۔

اورخان اس کی طرف ایک عجیب سی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔ بار بر چونک کر اس کی اندر کی جیب سے گرے ہوئے ایک کاغذ کے پرزے کو دیکھنے لگا۔ یہ آدھا پھٹا ہوا کوئی خط معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اسے اُٹھا لیا۔ اور وہ اسے پڑھ کر سمجھ لینے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ بالآخر اس نے جھنجھلا کر اسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

کچھ دیر بعد خان کی کار لیزلی روڈ پر دوطرفہ چھوٹے چھوٹے خوشنما اور پر سکون بنگلوں کی قطاروں کے بیچ سے گذر رہی تھی۔ تنویر پاس والی اگلی نشست پر بیٹھا چیونگم چبا رہا تھا۔ اسے جیسے کسی بات کی کوئی فکر ہی نہ تھی یا جیسے اس ساری بھاگ دوڑ کو وہ ایک سی آئی ڈی آفیسر کی حماقت سے زیادہ سمجھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

"یہی بنگلہ ہے نا...؟" خان نے ایک جگہ کار دھیمی کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ تو اس طرح پوچھ رہے ہیں جیسے یہ میری سسرال ہو۔" تنویر نے کہا۔

"چونچ بند رکھو۔ کوئی شریف آدمی سن لے گا تو باہر سے ہی بھگا دے گا۔" یہ کہتے ہوئے خان نے کار روک لی اور اندر بیٹھے بیٹھے ہی دو تین بار کار کا ہارن بجایا۔ سنسان پر ور خاموش سناٹوں میں کار کے ہارن کا شور دور تک گونج اٹھا لیکن بنگلہ کے دروازے پر کوئی نظر نہیں آیا۔

"تم یہیں بیٹھو تنویر۔ میں دیکھتا ہوں۔"

"خدا آپ کو بخیر و عافیت لوٹائے۔ پہنچ کر خط ضرور لکھئے گا۔" یہ کہہ کر تنویر سونے والے انداز میں آنکھیں موند کر اسٹیئرنگ سے ٹک گیا۔

بنگلے کے باہر کمر کمر تک جالی دار چہار دیواری والا ایک چھوٹا سا احاطہ تھا جس کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ دوطرفہ پھول دار پودوں کے گملوں سے سجی ہوئی روش پر چلتا ہوا وہ بنگلہ کے پورٹیکو میں پہنچ گیا۔ پورٹیکو کی تقریباً ڈیڑھ فٹ چوڑی دیوار پر ایک چھوٹی سی سیاہ تختی پر پینٹ کیا ہوا تھا۔

Akram Allahabadi

"پروفیسر ارسلان مرزا"

برآمدے میں دیوار سے لگے ہوئے قد آدم آئینے کے ایک طرف دو صوفے پڑے تھے اور دوسری طرف 'ہیٹ اسٹینڈ' کھڑا تھا جس کی تمام کھونٹیاں اس وقت خالی تھیں۔ اس سے چار قدم آگے چل کر شاید ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ جس کی دیوار سے ہموار چوکھٹ میں گھنٹی کا بٹن لگا ہوا تھا۔

بٹن دباتے ہی اندر کہیں گھنٹی کی مسلسل آواز گونجنے لگی اور ایک منٹ بعد ہی اندر والے کمرے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ خان دروازے سے فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔

کسی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ وہ کوئی ادھیڑ عمر کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ خان اس کے سامنے آگیا۔ وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس صورت وشکل کا ملاقاتی اس نے کبھی نہ دیکھا ہو۔

"فرمایئے۔" وہ بولا۔

"پروفیسر صاحب تشریف رکھتے ہیں کیا؟" خان نے چہرے پر کسی قدر بھولے پن کے آثار پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کام ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کام... کام کچھ ایسا ویسا نہیں ہے، ان سے ہی بتانے کا ہے۔" خان نے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔

"صاحب تو نہیں ہیں۔" نوکر نے بتایا۔

"کوئی اور ہے گھر میں..."

"چھوٹا بابا ہے۔"

"چھوٹا بابا...؟" خان سوچ میں پڑ گیا۔ "کیا تمھارا مطلب انکے بچے سے ہے؟"

Akram Allahabadi

"بچہ؟" نوکر ہنسا۔ "صاحب کی لڑکی کو ہم لوگ چھوٹا بابا کہتا ہے صاحب۔" اس نے بھولے پن سے بتایا۔

"کیا وہ پردہ کرتی ہیں؟"

"نہیں صاحب۔ اِدھر کوئی پردہ نہیں کرتا۔ لکھا پڑھا لوگ ہے صاحب کے گھر میں۔" نوکر نے بتایا۔

"تو ان سے کہہ دو کہ کوئی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"مگر بابا کسی سے نہیں ملتا۔"

"ان کو بولو کہ تمھارے پاپا کا دوست آیا ہے، ملنا ضروری ہے۔" خان نے پانچ کا ایک نوٹ اس کی مٹھی میں دیتے ہوئے کہا۔ نوکر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔

"آیئے آیئے صاحب۔" وہ زیادہ با اخلاق بننے کی کوشش کرتے ہوئے بولا اور دروازہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ خان نے اندر ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر ایک نظر چاروں طرف ڈالی۔ کمرہ آراستہ تھا۔ فرش پر سرخ رنگ کے دبیز قالین اور دیواروں پر ہلکا نیلگوں روغن تھا۔ کمرے کی دیواروں پر چاروں طرف بڑی اور چھوٹی فریم کی ہوئی تصاویر لٹک رہی تھیں جن میں سے ایک کسی پتھر کی مورتی کی نقل یا تاریخی مقامات اور تاریخی آثار کے فوٹو معلوم ہوتے تھے۔ پروفیسر ارسلان یونیورسٹی کے آثارِ قدیمہ کی تحقیق کے شعبے کا ممبر تھا اور خود بھی آثارِ قدیمہ کی دریافت و تحقیق کے سلسلے میں کافی مستند اور نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

"آپ صوفہ پر بیٹھو۔ میں چھوٹا بابا کو خبر کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر نوکر بیچ کمرے میں رکھے ہوئے ایک صوفہ سیٹ کی طرف اشارہ کر کے دوسرے دروازے سے اندر چلا گیا اور خان صوفہ پر دروازے کی طرف پشت کر کے دیواروں پر لگی ہوئی تصاویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ یہ سب کسی نہ کسی تاریخی آثار کی تصاویر تھیں۔ داہنی طرف کی دیوار میں اور اس کے سامنے والی دیوار میں ایک دوسرے کے مقابل دو آئینے لگے ہوئے تھے۔

Akram Allahabadi

نوکر کے اندر جانے کے دو منٹ بعد ہی خان نے دیوار میں لگے ہوئے سامنے والے آئینہ میں دیکھا۔ پیچھے کے دروازے کا پردہ مرتعش ہو رہا تھا اور پھر وہ اندر آ گئی۔ اس نے ہلکے گلابی کرتے کے ساتھ سرخ ریشمی غرارہ پہن رکھا تھا۔ گلے میں سفید شفون کا دوپٹہ ڈالے وہ سراپا قیامت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے سرخ سفید چہرے پر گھنیری پلکوں والی سیاہ بڑی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش تھی جو ہر دیکھنے والے کو تھوڑی دیر کے لئے مسحور کر دیتی۔ خان نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"تشریف رکھئے۔" وہ بولی اور خود بھی متانت کے ساتھ دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

خان پھر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

"میں پروفیسر صاحب سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ دو دن سے شکار پر گئے ہوئے ہیں۔" خان نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"جی ہاں۔ وہ پرسوں سے گئے ہیں۔"

"اور ابھی تک نہیں آئے۔"

"وہ اکثر اسی طرح کئی کئی دنوں شکار پر رہتے ہیں۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"کئی کئی دنوں...؟ یقیناً وہ اکیلے تو نہ جاتے ہوں گے۔"

"جی نہیں۔ یوں تو میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ کب کس کے ساتھ جاتے ہیں لیکن زیادہ تر ان کا ساتھ پروفیسر نعمان صاحب اور انجینئر داؤد سے رہتا ہے۔ دوسروں کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔" اس نے صاف اور شستہ لہجہ میں جواب دیا۔ ایک لمحہ کے لئے خان کی نگاہیں غیر ارادی طور پر اس کے حسین بیضاوی چہرے پر جم گئیں۔ وہ یہ محسوس کر کے کچھ کسمسا گئی اور خان چونک کر جھینپ سا گیا۔

"پرسوں وہ کن لوگوں کے ساتھ گئے تھے۔ کچھ بتا سکتی ہیں آپ؟" خان نے

Akram Allahabadi

پوچھا۔

"پرسوں سویرے اچانک ان کا پروگرام بن گیا تھا۔انھوں نے شکار پر جانے سے پہلے پروفیسر نومان کا نام لیا تھا۔پھر معلوم نہیں اور کون کون سے لوگ ان کے ساتھ گئے ہوں کیونکہ پاپا کے پروگراموں میں نہ کوئی دخل دیتا ہے نہ پوچھتا ہے اور پوچھ بیٹھو تو جھنجھلا جاتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔شاید اسے چائے لانے والی خادمہ کا انتظار تھا۔ اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ٹرے میں چائے لے کر آ پہنچی۔اس عرصہ میں خان اس شش و پنج میں الجھا ہوا تھا کہ آیا اسے اس کے باپ کی موت کی خبر دے یا نہ دے۔پولیس کے نزدیک جنگل میں پائی گئی وہ لاش اب تک غیر شناخت شدہ تھی اور خان نے اپنے طور پر محض اس لاش کے سر کے بالوں اور کنپٹی کی قلم کی کٹنگ پر شبہ کر کے بالآخر مقتول کے بارے میں سراغ لگا ہی لیا۔

" آپ نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔" اس نے چائے کی پیالی میں کیتلی سے چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" خان چونکا۔ "شاید مجھے بتانا ہی پڑے گا۔" یہ کہہ کر اس نے اندر کی جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔وہ اسے پڑھتے ہی کچھ سٹ پٹا سی گئی اور پھر خان کی طرف دیکھ کر بولی۔

"لیکن آپ...یعنی یہاں۔" اس کا جملہ نامکمل تھا جیسے اسے کچھ حیرت سی تھی۔

"ایسی کیا بات ہوئی ہے آخر۔آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے ایک ہی سلسلہ میں پوچھ ڈالا۔اس کی گھبراہٹ میں معصومیت اور سادگی تھی اور خان ایک بار پھر تذبذب میں پڑ گیا کہ وہ اس کے باپ کی موت سے کس طرح اس کو آگاہ کرے۔

"دراصل بات یہ ہے کہ..." وہ پھر اٹکنے لگا۔

"آپ جھجک کیوں رہے ہیں، مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" اس کے چہرے کا رنگ

Akram Allahabadi

کچھ بدلنے لگا۔

"پروفیسر صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔" اس نے دبی زبان سے کہہ ہی دیا۔

"جی...؟" اور اس ایک لفظ کے بعد اسے سکتہ سا ہو گیا۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں خان کے چہرے پر گڑ گئیں۔

"مجھے افسوس ہے۔ لیکن جلد یا بدیر یہ غمناک خبر آپ کو ملنی ہی تھی۔" خان نے اظہار ہمدردی کیا۔

"کیا ہو گیا انھیں۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔

"انھیں قتل کر کے جنگل میں پھینک دیا گیا تھا۔"

"قتل۔" وہ تقریباً چیخ اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ کر ٹھنس گئے۔

خان نے مقتول لاش کا فوٹو اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے اسے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اٹھایا اور دیکھتے دیکھتے اس کے آنسو رخسار سے ڈھلکنے لگے۔

"کس نے جان لی ہے ان کی۔ کون تھا وہ درندہ، کمینہ، سؤر۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخ اٹھی۔ اور پھر دونوں ہاتھوں میں منھ دے کر ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ اس کی چیخ کی آوازیں سن کر گھر کی خادمہ اور ادھیڑ عمر ملازم بھی آ پہنچا۔

"انھیں تسلی دو۔ پروفیسر صاحب کا کسی نے خون کر دیا ہے اور پولیس قاتل کو تلاش کر رہی ہے۔" اس نے نوکروں کو مشورہ دیا۔ لیکن نوکر تو خود بھی حیرت سے منھ کھولے رہ گئے۔" اگر خان کو اپنی اجنبیت کا احساس نہ ہوتا تو وہ خود اسے تسلی دینے کی کوشش کرتا۔ ادھیڑ عمر ملازم اندر زنان خانے میں خبر دینے چلا گیا اور نوکرانی بجائے اس کے کہ چھوٹے بابا کو سمجھاتی اور تسلی دیتی، اظہار وفاداری کی خاطر خود بھی منہ پھیلا پھیلا کر رونے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں اندر سے بھی رونے دھونے کی آوازیں آنے لگیں۔ پروفیسر ارسلان کی بیگم شاید پردہ نشین تھیں اس وجہ

سے وہ خود خان سے کچھ دریافت کرنے کی ہمت نہ کرسکیں۔ خان نے اپنی فیلٹ کیپ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"لاش چونکہ دیہاتی لباس میں پائی گئی تھی اور اس کی شناخت نہیں ہوسکی اسلئے پوسٹ مارٹم کے بعد اسے سرکاری طور پر دفنایا جاچکا ہے۔ مجھے پروفیسر صاحب سے متعلق کچھ ضروری باتیں پوچھنی ہیں جن کے لئے میں پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔"

اس کے جواب میں چھوٹے بابا نے اپنی بھیگی ہوئی پلکیں اوپر اٹھا کر ایک بار اس کی طرف دیکھا اور پھر رونے لگی۔ خان تسکین کے چند اخلاقی جملے بولنے کے بعد رخصت ہو کر باہر چلا آیا۔ تنویر اتنی دیر میں اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر واقعی سو چکا تھا۔ خان نے اسے دوسری نشست پر دھکیل دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ خان کی طبیعت خود بھی اس وقت کچھ مضمحل سی ہوگئی تھی۔ وہ چپ چاپ سا اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ کردی۔

Akram Allahabadi

حرام خور

دوسرے دن سویرے سویرے اخباروں میں پروفیسر ارسلان کے قتل کی خبر نے ان کے واقف کار حلقوں میں ایک سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ ابھی کل ہی جنگل میں ملنے والی پراسرار لاش کی خبر شائع ہوئی تھی اور آج جب اس گنوار کے بھیس میں قتل کیے جانے والے پروفیسر ارسلان مرزا کے نام کا اعلان ہوا تو لوگ تعجب میں پڑ گئے۔ اخباروں میں اس سے آگے تفصیلات درج تھیں کہ پروفیسر ارسلان یونیورٹی میں شعبۂ آثار قدیمہ کے انچارج تھے۔ ان کی شخصیت کافی معزز مگر تنہائی پسند تھی۔ ان کے قتل کی واردات بہت پراسرار معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ان کی لاش ایک پہاڑی دیہاتی کے لباس میں پائی گئی ہے۔ پولیس کی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ مرنے سے ایک روز پہلے وہ شکار کا پروگرام بنا کر گئے تھے لیکن ان کے ساتھی کون کون تھے، یہ ابھی نہیں معلوم ہو سکا۔ پولیس بہر صورت تحقیق کر رہی ہے۔ راجستھان آبزرور نے اس سے کچھ آگے خبر دی تھی اور یہ تھی تنویر کی حرکت۔

اس نے لکھا تھا کہ "مقتول پروفیسر کو دو مشغلے بہت زیادہ مرغوب تھے۔ ایک شکار جس کے لئے اکثر وہ کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے اور دوسرا تھا آثار قدیمہ کی تحقیق اور ممکن ہے ان کی اس پراسرار موت کا سلسلہ ان میں سے ہی کسی شغل سے ملتا ہو۔"

"اُلّو کا پٹھا۔" خان نے جھنجھلا کر راجستھان آبزرور کو ٹیبل پر پھینک دیا اور ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر رنگ کرنے لگا۔

"ہیلو ایکس چینج۔ ۳۴۵، راجستھان آبزرور پلیز... یس... چیف رپورٹرز آفس... ہیلو... کون مس مکھی؟ تنویر ہے کیا وہاں؟ ہاں میں سپرنٹنڈنٹ خان بول رہا ہوں۔ نہیں ہے۔ کہاں گیا کمبخت...؟"

Akram Allahabadi

"حاضر خدمت ہے عالی جاہ۔" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ خان نے جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا اور تنویر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"آؤ سُور۔ میں کب سے تمھاری ہڈیاں چبانے کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔"

"تو خدانخواستہ آپ آدم خور واقع ہوئے ہیں؟" وہ قریب آ گیا۔

"یہ شاندار حماقت تمھاری ہی ہے نا۔" خان نے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

"تو اس میں کیا ہوا؟" تنویر سامنے بیٹھ گیا۔

"کچھ ہوا ہی نہیں؟ آخر تمھیں رائے زنی کرنے کی ضرورت کیا تھی۔"

"میں نے سوچا ذرا قابلیت جھاڑ دوں اپنی۔"

"نِرے احمق ہو۔"

"جی وہ آپ کے طفیل۔"

"طفیل کے بچے۔ خود سراغ نکالتے تو تیر بھی مارا ہوتا۔ اب وہ لوگ ضرور ہوشیار ہو جائیں گے، جو اس واردات سے متعلق ہیں۔"

"لوگ؟"

"یہ کام کسی اکیلے آدمی کا نہیں معلوم ہوتا اور پھر میں نے تو کہا تھا کہ مقتول کا نام وغیرہ شائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس ایک غیر شناخت شدہ لاش کافی تھا۔"

"یہ کارنامہ آپ کے اس خچر نژاد پیارے سارجنٹ کا ہے، جس نے کوتوالی میں سب کچھ فرما دیا ہوگا اور تمام اخباروں کو یہ خبر وہیں سے ملی ہے۔"

"سمجھ لوں گا اسے بھی۔

باقی حالات تو میں خود گول کر گیا ہوں۔ مثلاً یہ کہ پروفیسر کے..."

"خاص خاص دوستوں میں انجینئر داؤد اور پروفیسر نومان بھی شامل ہیں۔ یہی نا؟"

"تو کیا آپ..."

Akram Allahabadi

"یہ بال دھوپ میں نہیں سفید ہوئے ہیں بیٹے۔"

"مجھے تو ایک بھی سفید نظر نہیں آ رہا۔"

"تو فرض کر لو۔"

"اچھا فرض کر لیا کہ آپ بوڑھے ہیں۔"

"بکواس چھوڑو۔ چلو میں تمھیں ایک دلچسپ تماشہ دکھاؤں۔"

"تماشہ...؟"

"ہاں، ایک معزز حرام خور کا۔"

"حرام خور؟ یعنی کیا رشوت؟"

"نہیں بھئی۔ وہ زندہ جانوروں کو بغیر حلال کیے کاٹ کاٹ کر کھاتا ہے۔"

"کوئی جنگلی ہے کیا؟"

"محکمۂ زولاجی کے شعبۂ تحقیق حیوانات کا انچارج پروفیسر۔"

"یا وحشت؟ وہ پروفیسر؟ سنا ہے وہ خبطی بھی ہے کچھ۔"

"چائے پینی ہے تو پی لو۔ کار، پورٹیکو میں تیار ہے، مجھے صرف کپڑے بدلنے ہیں۔" یہ کہہ کر خان اٹھ کھڑا ہوا۔

" آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ دن بھر کی تپش کے بعد شام کی خنکی نے شہر کی زندگی بحال کر دی تھی۔ ان کی کار چوڑی شاہراہ رام سنگھ روڈ سے گذرتی ہوئی کیفِ ناز کے لان سے کچھ دور پر اس شیڈ کے نزدیک رک گئی جس میں آنے والوں کی کاریں کھڑی کی جاتی تھیں۔ کار کو شیڈ میں چھوڑ کر وہ کچھ غیر متعلق سی باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور کیونکہ وہ کار پر آئے تھے اس لئے انھیں معزز مہمان سمجھ کر دربان ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔

داخلی دروازے کے بعد ایک روشن گیلری تھی جس میں دیوار گیر برقی لیمپوں نے دن کا سا سماں پیدا کر دیا تھا۔ یہاں ایک طرف انڈیکیشن بورڈ پر کئی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان پر

Akram Allahabadi

بالترتیب لکھا تھا:

روٹری کلب:	تیسری منزل
فرینڈز کلچرل سوسائٹی کلب:	دوسری منزل
ینگ مینس، کرسچین کلب:	پہلی منزل
گیدرانیڈ کے گیمز کلب:	گراؤنڈ فلور

دوسری تختی پر سپرنٹنڈنٹ خان کی نظریں ٹھہر گئیں۔

"وہ ضرور یہیں ملے گا۔"

"کون۔"

"دیکھ کر جان لوگے۔" یہ کہہ کر وہ بجائے اندر کے ہال کی طرف جانے کے بجلی کی لفٹ کے پاس آ کھڑا ہوا اور اس نے بٹن دبا دیا۔ لفٹ فوراً ہی نیچے آ گئی۔

"سیکنڈ فلور" خان نے لفٹ بوائے سے تحکمانہ لہجے میں کہا اور لفٹ بوائے نے نے داہنے ہاتھ پر پیتل کی کھڑی تختی میں لگے ہوئے دوسری منزل کے بٹن کو دبا دیا۔ دوسری منزل پر لفٹ سے اتر کر ایک تقریباً ۸ فٹ چوڑا کاریڈور طے کرتے ہوئے وہ کلب کی طرف چلنے لگے۔ آس پاس شاندار رہائشی کمرے تھے۔ ان کے اختتام پر ایک ۱۰ فٹ چوڑا نصف دائرے کی شکل کا دروازہ تھا جس کے سر پر بجلی کے روشن بورڈ پر "فرینڈز کلچرل سوسائٹی کلب" لکھا تھا۔ وہ بے دھڑک اس میں داخل ہو گئے۔ اٹنڈنٹ ان کے نزدیک آ گیا۔ اندر بہت سی میزوں کے گرد بہت سے مرد، عورتیں شریفانہ لباس میں بیٹھے مختلف قسم کی گفتگو کر رہے تھے۔

"گیسٹ۔" خان نے کہا۔

"کارڈ پلیز۔" وہ بولا جس کے جواب میں خان نے اپنا شناختی پولیس کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔ وہ کچھ گھبرا سا گیا۔

"مجھے معاف کیجئے گا۔ معلوم نہ تھا۔" وہ شریفانہ لہجے میں معذرت طلب کرتے

Akram Allahabadi

ہوئے بولا۔

"کوئی بات نہیں، لیکن یہ آپ تک ہی رہے۔" خان نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے۔" وہ یہ کہہ کر سامنے سے ہٹ گیا۔

"پروفیسر نومان ہیں یہاں۔"

"جی وہ کیا بیٹھے ہیں تیرہ نمبر ٹیبل پر۔" اس نے ایک ادھیڑ عمر کے گرانڈیل شخص کی طرف اشارہ کیا جو کافی بارعب، سنجیدہ اور کم گو نظر آتا تھا جبکہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ خود ہی کچھ گفتگو آپس میں کرتے ہوئے احمقوں کی طرح قہقہے لگا رہے تھے۔

"اور پروفیسر ارسلان؟" خان نے پوچھا۔

"ان کے بارے میں تو آج اخباروں نے افسوسناک خبر چھاپی ہے جو آپ سے یقیناً پوشیدہ نہ ہوگی۔" اٹنڈنٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اوہ۔ تو وہ یہی پروفیسر ارسلان تھے؟" خان نے بات بنادی۔ "خیر کوئی بات نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اور تنویر اندر چلے گئے۔ بہت سے آدمی انھیں کسی قدر چونک کر دیکھنے لگے۔ کئی اس طرح پلٹ کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے کسی عجائب خانے میں دو نئے جانور آگئے ہوں اور انھیں پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ پروفیسر نومان کی بڑی میز کے گرد ان کی نشست ملا کر چھ نشستیں تھیں جن کے بیچ میں ایک گول آبنوسی میز بچھی تھی۔ کلب کا یہ ہال تقریباً بیس فٹ بلند، سادہ اور سفید چھت کے ساتھ چوطرفہ ہلکی سبز دیواروں پر کھڑا تھا۔ ان دیواروں پر دنیا کے مشہور مصوروں کی قلمی تخلیقات ایک ہی سائز کے چوکھٹوں میں جڑی ہوئی تھیں۔ پورے ہال میں تقریباً بیس ایسی گول میزیں تھیں جن پر دو دو، چار چار مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں۔ کوئی کتاب دیکھ رہا تھا، کہیں خوش گپیاں ہو رہی تھیں۔ بعض میزوں پر دو چار آدمی اپنی گرما گرم بحثوں میں جھگڑ رہے تھے۔ ان میں نوجوان مرد یا لڑکیاں اکا دکا دکھائی دے رہی تھیں۔ زیادہ تر معمر قسم کے سنجیدہ لوگ نظر آرہے تھے جو انداز سے کافی مہذب اور تعلیم یافتہ سوسائٹی کے

Akram Allahabadi

معلوم ہوتے تھے۔خان کی تحقیق کے مطابق اس کلب کے ممبروں میں زیادہ تر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پروفیسران یا اعلیٰ سرکاری عہدے دار، کسی قدر فلسفی اور خبطی قسم کے لوگ شامل تھے اور ان کے چہروں کے نقوش بھی کچھ ایسے ہی آثار لئے ہوئے تھے۔

وہ پروفیسر نومان کے قریب والی دونوں خالی نشستیں کھینچ کر بیٹھ گئے۔تنویر اس داہنے ہاتھ والے دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس پر ایک سلولائیڈ کی تختی پر لکھا تھا "رسٹ کارنر" اس کے کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر دوسرے کونے میں ایک اور دروازہ تھا جس پر ایک دوسری تختی پر لکھا تھا "لائبریری"۔

پروفیسر نومان کے چہرے پر انہیں دیکھ کر کسی قدر ناخوشگوار سے اثرات جھلکنے لگے۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو پروفیسر نومان آپ ہی ہیں؟" خان نے خود ہی اس کی طرف رخ کر کے بات چھیڑ دی۔

"آپ کو میرے نومان ہونے میں کچھ شک ہے؟" وہ بگڑے ہوئے موڈ سے بولا۔

"جی قطعی نہیں۔آپ کے نام سے تو کون واقف نہ ہوگا۔صرف نیاز حاصل کرنے کی خواہش تھی۔" خان کچھ اس انداز سے بولا کہ پروفیسر نومان کی پیشانی پر ابھری ہوئی سلوٹیں دب گئیں۔

"آپ لوگوں کی تعریف؟" اس نے خان اور تنویر سے بیک وقت سوال کیا۔

"ہمیں صرف اپنا گرویدہ سمجھ لیجئے۔یہ منشی تنور خاں ہیں اور خاکسار کو..."

"تنور خاں؟ یہ کیا مضحکہ خیزی ہے؟" پروفیسر نومان نے حیرت و دلچسپی کے ملے جلے تاثر سے منہ کھول کر کہا۔

"جی یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ ان کے دادا جان نے یہی نام تجویز فرمایا تھا۔دراصل ان کے دادا کا نام محور خاں تھا اور وہ خاندانی ناموں میں قافیہ بندی کے بڑے قائل تھے اس لئے ان کے والد صاحب کا نام طہور خاں رکھا گیا اور ان کا نام تنور خان۔یہ بیچارے خاندانی

روایات سے مجبور ہیں۔ ویسے آدمی بڑے اچھے ہیں۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ تنویر نے بات کاٹ دی تھی۔

"مرچی مصالحہ کی دکان ہے اپنی۔" تنویر خود بول پڑا۔ "میں نے تو آپ کی کتاب "بھانت بھانت کے جانور" جب پڑھی تو ایسا جی چاہنے لگا کہ بس کسی طرح آپ کا دیدار ہو جائے۔ وہ تو بھلا ہو اپنے پروفیسر بنگالی صاحب کا کہ انھوں نے آپ سے ملانے کا وعدہ کرلیا۔" تنویر نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔

"دراصل پروفیسر بنگالی مجھے کہتے ہیں۔" خان نے بیچ سے بات تھام لی۔ "مجھ سے پروفیسر ارسلان نے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا تھا۔"

"ارسلان!" پروفیسر نومان اچانک چونک پڑا۔ اس کے چہرے کی رنگت کسی قدر تبدیل ہوگئی۔ خان غور سے اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔ تنویر کی نظران دوسرے آدمیوں پر تھی جو باقی تین کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ وہ اپنی باتوں میں اس قدر کھوئے تھے کہ انھوں نے ان نئے مہمانوں کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی۔ پروفیسر نے اپنی حالت پر فوراً بعد ہی قابو پالیا۔ اس کے جاننے والوں کا کہنا تھا کہ وہ بہت کم مسکراتا تھا۔ مگر خان نے دیکھا کہ وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لئے مسکرانے کی کوشش کررہا تھا۔

"آپ کا شغل کیا ہے۔" اس نے خان سے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں آپ لوگوں کی طرح کسی مخصوص تحقیق کو لے کر نہیں چلتا۔ میں دراصل بھوت پریت بھگاتا ہوں اور گنڈے تعویذ بھی کرتا ہوں۔" خان نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"یا دوسرے معنوں میں آپ دوسروں کو بیوقوف بناتے ہیں۔" پروفیسر نے طنز کیا۔

"جی اب آپ سے کیا چھپانا۔ سچ پوچھئے تو اپنا یہی دھندا ہے۔" خان آہستہ سے بولا۔

"آپ بہت غلط آدمی ہیں۔تعجب ہے کہ اس سوسائٹی میں آنے کی آپ کو جرأت کیسے ہوئی۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"شاید آپ نہیں جانتے کہ میں ان خصوصیتوں کے علاوہ اسٹرالوجی یا اختر شناسی بھی جانتا ہوں۔" خان نے ڈھٹائی سے کہا۔

"گھاس کھودتے ہیں آپ۔میرا وقت مت خراب کیجیے۔" پروفیسر جھنجھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔خان نے دیکھا سب اپنی دھن میں کھوئے ہوئے تھے کوئی ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔

"میں نے تو سنا تھا کہ آپ بڑے بااخلاق آدمی ہیں۔مہمانوں کی آؤ بھگت کرتے ہیں۔" تنویر بول اٹھا۔

"میں ایسے گھٹیا قسم کے مہمان پسند نہیں کرتا۔" پروفیسر کو غصہ آ گیا تھا۔

"ارے واہ! یعنی کہ ہم گھٹیا ہیں اور آپ بڑھیا ہیں۔" تنویر نے ہی پھر اس کی بات کا جواب بڑی معصومیت سے دیا۔لیکن پروفیسر ان کی بات کی پرواہ کئے بغیر دوسری میز پر چلا گیا۔

"اچھا۔اب آپ برا ہی مانتے ہیں تو ہم چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور خان ایک مسکراہٹ بھری نظر اس کی طرف ڈالتا ہوا تنویر کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"آپ نے اس سے اور سوالات کیوں نہیں کیے۔" باہر آ کر کار میں بیٹھتے ہوئے تنویر نے پوچھا۔

اس وقت سب کے سامنے مناسب نہ تھا کیونکہ وہ بات تک کرنے سے انکار کر سکتا تھا۔وہ شہر کے معزز لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ہم بغیر کسی مدلل ثبوت کے اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے۔"

"مجھے ابھی انجینئر داؤد سے ملنا ہے۔پروفیسر کے بارے میں مجھے جو شبہ تھا میں اس

Akram Allahabadi

کی تصدیق کر چکا ہوں۔ آگے خود دیکھ لینا، کیا کیا ہوتا ہے۔" خان نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

بھٹکتی روح

"صاحب صبح سے کئی فون آچکے ہیں آپ کے لئے۔" ان کے اندر داخل ہوتے ہی ملازم غلام رسول نے کہا۔

"کس کے فون تھے۔"

"کوئی زنانی آواز تھی۔ کسی پروفیسر ارسلان صاحب کے گھر سے۔"

"اوہ۔ کیا کہا گیا۔"

"باربار یہی تاکید کی ہے کہ آپ آئیں تو آپ کو فوراً وہاں بھیج دیا جائے۔"

"اور کس کا فون تھا۔"

"اور کوتوالی سے فون آیا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ راجندر صاحب کا۔ آپ کو پوچھ رہے تھے بس۔"

"خیر، کھانا تیار ہے؟"

"گھنٹوں کا رکھا ہے۔"

"تو لگادو۔"

کھانے سے فارغ ہونے تک شام کے چار بج چکے تھے۔

"تنویر تم کہیں گھومنے جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔ میں ذرا لیزلی روڈ جارہا ہوں۔"

"آپ یوں کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو میرا وہاں ساتھ چلنا کھلتا ہے۔"

"خدانخواستہ یہ آپ کو کوئی خوشگوار قسم کی غلط فہمی کیوں ہورہی ہے۔"

"کیونکہ میں نے سنا ہے کہ پروفیسر ارسلان کی لڑکی شہناز کا دس بیس شہروں میں جواب نہیں۔"

Akram Allahabadi

"تم نے دس بیس ملکوں میں کہا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔" تنویر کے لہجہ میں شرارت تھی۔

"تم جاؤ گے کہ نہیں اُلّو۔"

"ہے ہے۔ دکھتی رگ پھڑک اٹھی ہے۔" تنویر اٹھ کر دروازے کی طرف چلتے ہوئے بولا۔

"میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

"تب تو ارسلان کے قاتل کو ڈھونڈھنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

"خدا کی پناہ۔ تمہارا منہ ہے یا سنڈاس۔ بکواس بند ہی نہیں ہوتی۔"

"اچھا نانا۔" کہتا ہوا تنویر باہر نکل گیا۔ خان نے کپڑے تبدیل کیے اور غلام رسول کو جلدی آنے پر اس کا انتظار کرنے کی ہدایت کے ساتھ اپنے کتے (رومن ٹائیگر) کو مالی سے کھلوا دینے کا حکم دے کر اپنی کار میں لیزلی روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

"میں آج صبح سے تین چار بار فون کر چکی ہوں آپ کو۔" شہناز نے اس کے سامنے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مس شہناز کہ میں مکان پر نہ تھا۔" وہ ڈرائنگ روم میں صوفے کے نزدیک پڑی ہوئی گدّے دار کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ میرا نام جانتے ہیں؟" وہ بھولے پن سے چونک پڑی۔

"اتنا اچھا نام نہ جاننا بدقسمتی ہے۔" خان نے مسکرا کر کہا۔ جس پر شہناز شرما گئی۔

"میری طبیعت کل رات سے بہت پریشان ہے۔ رات میں، میں نے ایک عجیب چیز دیکھی ہے۔" وہ کہنے لگی۔

"ایسی کیا بات تھی۔" خان اور متوجہ ہو گیا۔

"کل جب آدھی رات کو کھٹکے سے میری آنکھ کھلی تو..." بیان کرتے کرتے اس کے چہرے پر زردی سی چھانے لگی۔

"ہاں ہاں کہیے۔"

"تو میں نے دیکھا کہ..." اس کا گلا رُوندھنے لگا۔

"آپ خوفزدہ کیوں ہیں۔ میں موجود ہوں یہاں۔" خان نے ہمت دلائی۔

"خود مجھے یقین نہیں آتا لیکن آنکھوں سے دیکھا ہے اس لئے خود کو دھوکا بھی نہیں دے سکتی۔" وہ کہنے لگی۔

"آخر ایسی کیا چیز دیکھ لی آپ نے۔" خان نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"ابا جان کی روح۔" اس نے بمشکل گھٹے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"روح؟ پروفیسر صاحب کی۔" خان چونک پڑا۔

"جی ہاں۔ وہ اپنے کمرے میں بھٹک رہی تھی۔ جب سے وہ گئے تھے ان کا کمرہ راتوں کو تاریک رہتا ہے۔ لیکن رات اس میں روشنی ہو رہی تھی اور ان کی روح اس کمرے میں بیقراری سے ٹہل رہی تھی۔"

"کیا آپ نے قریب سے دیکھا تھا اسے۔"

"میں نے کھڑکی کے شیشہ سے دیکھا تھا۔ آنکھیں مل کر دیکھا۔ وہ ان کی روح ہی تھی۔ وہ بار بار کمرے میں رکھی ہوئی اس تجوری کی طرف جاتے تھے جس کی چابی میرے پاس ہے۔ خوف کی وجہ سے میری آواز نہ نکل سکی۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنے کمرے میں آ کر جب کانپتے ہوئے ہاتھوں سے نوکرانی بوا اور نوکر کو اٹھایا اور ہم تینوں نے دوبارہ جا کر دیکھا تو کمرے میں اندھیرا ہو چکا تھا۔ امی بھی جاگ اٹھیں۔ انھوں نے جو سنا تو دعائیں مانگنے بیٹھ گئیں، کہنے لگیں روح کا بھٹکنا اچھا نہیں۔ ضرور انھیں کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو گی۔"

Akram Allahabadi

"اور پھر کمرہ کھلوا کر دیکھا۔"

"رات کو کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔ صبح البتہ کریم اور بوا نے میرے اور امی کے سامنے جب اس کمرے کو کھولا تو اس کی ہر چیز اسی طرح تھی۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔" وہ کہہ کر خان کی صورت دیکھنے لگی۔

"تجوری میں کیا رکھا ہے۔" خان نے پوچھا۔

"کوئی خاص چیز نہیں ہے۔ پانچ چھوٹے بڑے ہیرے ہیں، امی کے کچھ قیمتی زیورات اور دو چار ہزار روپئے ہوں گے۔"

"آپ کو ٹھیک سے معلوم ہے؟" خان نے سوال کیا۔

"ابا جان مجھے بہت چاہتے تھے اس لئے تجوری کی چابیاں زیادہ تر میرے ہی پاس رہتی تھیں۔" شہناز نے جواب دیا

"میں اس تجوری کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" خان بولا۔

"ابھی چلئے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا وہ پردہ اٹھا کر دوسرے کمرے میں آ گیا جسے عبور کرنے کے بعد مقتول پروفیسر کی خواب گاہ تھی۔

خواب گاہ میں داخل ہونے پر شہناز نے ایک ایک چیز کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ سب کچھ ان کے شکار پہ جاتے وقت اسی طرح تھا اور اب تک اسی حالت میں ہے۔

کمرے کے آخری سرے پر مقتول پروفیسر کی مسہری کے سرہانے دیوار سے لگی وہ تجوری رکھی ہوئی تھی۔ شہناز نے اس کی چابی نکال کر تجوری کھول ڈالی۔ وہ اور خان اس میں بیک وقت جھانکنے لگے۔ دونوں نے کچھ اس طرح ایک ہی ساتھ تجوری میں نظر ڈالنے کو سر جھکائے کہ ناوانستہ طور پر ان کے سر آپس میں ٹکرا گئے۔

"اوہ۔ آئی ایم ویری ساری۔" خان نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔ لیکن شہناز کوئی جواب دینے کے بجائے شرما گئی۔ اس کی پلکیں جھک گئیں اور خان ایک نظر غور سے اس کے گلگوں

Akram Allahabadi

رخساروں کی شرمگیں کیفیت کو دیکھتا ہوا پھر اپنے کام میں کھو گیا۔

اندر پانچ ہیرے ایک مخملی ڈبے میں محفوظ تھے۔ نچلے خانے میں نوٹوں کے بنڈل تھے جنھیں اس نے گنا نہیں۔ اوپری بائیں ہاتھ کے خانے میں کچھ قیمتی جڑاؤ زیورات رکھے تھے اور اس کے نیچے کے خانے میں ایک سیاہ جلد کی موٹی کتاب رکھی تھی۔ خان اسے دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اسے باہر نکال لیا۔ کتاب کا نام "شاہان مغلیہ کی سماجی زندگی" تھا۔ یہ کتاب کافی پرانی اور ۴۲۵ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس کو مغلیہ دور کے مستند واقعات اور فارسی کی تاریخی دستاویزات سے ترجمہ کر کے مرتب کیا گیا تھا۔

"اوہ، اسے تو میں بھول ہی گئی تھی۔ پاپا نے شکار پر جانے سے پہلے ہی میرے سامنے اس کتاب کو تجوری میں رکھ کر چابی میرے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا "چابی بہت احتیاط سے رکھنا۔ تجوری کو کسی اور کا ہاتھ نہ لگنے پائے۔" شہناز نے اس کتاب کو دیکھ کر چونکتے ہوئے بتایا۔

"ہُم۔ کیا اس سے پہلے بھی انھوں نے آپ کو اس قسم کی تاکید کی تھی؟" خان نے تجوری سے دور ہٹ کر مسہری کے سرہانے سے ٹکتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے پہلے ایسا کبھی نہیں کہا گیا۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مجھے ایک گلاس پانی مل سکتا ہے؟ پیاس بہت لگی ہے۔" خان اپنے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"جی کیوں نہیں میں ابھی لائی۔" شہناز نے جلدی سے کہا۔

"شکریہ۔" خان نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی دوسرے دروازہ سے باہر نکل گئی۔

خان جلدی جلدی کتاب کے اوراق الٹنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ اس کا ہاتھ رک گیا۔ صفحہ ۷۰ اور صفحہ ۱۷۱ کے درمیان بڑے میلے اور پرانے بوسیدہ سے کسی قلمی تاریخی نسخے

Akram Allahabadi

کے تین ورق رکھے ہوئے تھے۔ان کا کاغذ کچھ عجیب ساخت کا گلا گلا ہوا سا تھا۔صفحہ ۱۷ پر سرخ پنسل سے کچھ نشانات لگے ہوئے تھے۔خان ان بوسیدہ قلمی صفحات کو غور سے دیکھنے پر کچھ چونک سا پڑا۔اتنے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی اوراس نے بڑی صفائی سے ۱۷ اور ۱۸ نمبر والے صفحات کو پھاڑ کران کے درمیان ان تین اوراق کے بوسیدہ قلمی نسخے کو رکھتے ہوئے احتیاط سے اپنی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور کتاب کو یوں ہی الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''پانی۔''شہناز کی نرم وشیریں آواز آئی۔

''اوہ۔''وہ بظاہر چونک پڑا۔''معاف کیجئے گا یہ تکلیف۔''اس نے گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے آدھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ جواب میں شہناز کی خاموش نگاہیں اس کی نظروں سے ٹکرا گئیں اور نہ جانے کیوں ایک لمحہ کے لئے وہ مبہوت سا ہو گیا۔کس بلا کی کشش تھی ان سیاہ پتلیوں والی خوبصورت آنکھوں میں۔شہناز کے چہرے کی سرخی اور گہری ہو گئی۔ پھر آپ سے آپ چونک کر خان نے گلاس ہونٹوں لگا لیا۔

''یہ کوئی اہم تاریخی کتاب معلوم ہوتی ہے۔''وہ گلاس کو خالی کرتے ہوئے بولا۔

''ہوگی۔مجھے تو ان کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔پاپا کی لائبریری میں ایسی بے شمار کتابیں بھری ہوئی ہیں۔لیکن میرا دل انھیں اٹھا کرایک نظر دیکھنے کوبھی نہیں چاہتا۔''شہناز نے کسی قدر کھل کر گفتگو کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ان کی لائبریری کہاں ہے۔''خان نے سوال کیا۔

''ڈرائنگ روم کے پیچھے، کیا دیکھئے گا؟''اس نے جواب دیا اور خان کو یہ سن کر حیرت ہونے لگی کہ ڈرائنگ روم میں کوئی ایسا دروازہ نہ تھا جو کسی لائبریری میں کھلتا ہو۔

''اگر کوئی حرج نہ ہو؟''

''آیئے۔''وہ آگے آگے ہولی۔

ڈرائنگ روم میں واپس آکر اس نے اس اونچی الماری کیطرف اشارہ کیا جو مغربی دیوار سے لگی رکھی ہوئی تھی۔

"آپ سمجھیں گے یہ الماری ہے مگر یہی ان کی لائبریری کا دروازہ ہے۔انھوں نے اپنی کتابوں کی حفاظت کی خاطر خاص طور سے اسے الماری کی شکل میں بنوایا تھا۔وہ اپنی کتابوں کے ذخیرے کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

وہ اب الماری کے نزدیک پہنچ گئی۔"یہ دیکھئے۔صرف یہ سائڈ کا بٹن دبا دینے سے اس کے دونوں پٹ کھل جاتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے الماری کی بائیں سمت پر لگے ہوئے ایک چھوٹے سے سیاہ بٹن کو دبا دیا۔الماری کے دونوں پٹ آپ سے آپ کھل گئے۔اس کے اندر ایک اور بند دروازہ نظر آرہا تھا جو دیوار سے ملحق تھا۔اس پر ایک، نمبر ملا کر کھولا جانے والا امریکی تالا لٹک رہا تھا۔شہناز نے اس کے نمبر ملائے اور وہ کھل گیا۔اس کے بعد اس نے دروازہ بھی کھول دیا۔اندر دو چھوٹی سیڑھیوں کے بعد ایک کشادہ بڑا کمرہ نظر آرہا تھا،جس کے اونچے روشندانوں سے دن کے سورج کی روشنی کا عکس ڈھل کر اندر ٹھنڈی اور ہلکی روشنی پھیلائے ہوئے تھا۔خان شہناز کے ساتھ اندر آکر چاروں طرف دیکھنے لگا۔اس کمرے میں سوائے اسی بند راستے کے اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔تین طرف دیواروں سے لگی ہوئی اونچی اونچی شیشے کی الماریاں رکھی ہوئی تھیں جن میں ضخیم کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ایک سمت کی چوڑائی والی دیوار خالی تھی اور وہاں دیوار سے لگا ہوا ایک لمبا صوفہ رکھا ہوا تھا جس کے سامنے ایک نئے ڈیزائن کی چھوٹی خوبصورت تپائی تھی۔اس پر ایک ایش ٹرے رکھی تھی۔چند چھوٹے بڑے سفید کاغذات بکھرے پڑے تھے۔تپائی کی دوسری سمت دو آرام کرسیاں پڑی تھیں اور سامنے کی طرف برامدے سے دو گدّے دار بڑی کرسیاں رکھی تھیں۔

اچانک خان چونک پڑا۔تپائی پر رکھی ہوئی ایش ٹرے سے دھواں بلند ہو رہا تھا۔ اس نے قریب جا کر غور سے دیکھا تو ایک سگریٹ ایش ٹرے میں پڑی ہوئی جل کر ختم ہونے

Akram Allahabadi

کے قریب تھی۔ دھواں اسی سے بلند ہو رہا تھا۔ خان تیزی سے مڑا اور اس نے تمام الماریوں کو ٹھوک ٹھوک کر دیکھنا شروع کیا۔

"کیا بات ہے؟" شہناز نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہمارے آنے سے صرف چند منٹ پہلے ہی کوئی یہاں موجود تھا۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"کوئی موجود تھا؟" وہ حیرت سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔ "ناممکن۔ سوائے پاپا کے اور میرے کسی کو اس لائبریری کا علم نہیں ہے۔" اس نے خان کے خیال پر شک کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جلتی ہوئی سگریٹ اس بات کا ثبوت ہے کہ جانے والا ہماری آمد سے ذرا پہلے یہاں سے غائب ہوا ہے۔ یا ممکن ہے وہ یہیں کہیں چھپا ہو۔" یہ کہہ کر وہ ایک ایک الماری اور اس کی پشت ٹٹولنے لگا۔ شہناز بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی لیکن اسے کوئی خلاء ایسا نہیں ملا جہاں وہ پراسرار وجود چھپا ہوا ہو۔

"شاید وہ پہلے ہی نکل گیا۔" خان نے رائے دی اور وہ پھر ٹہلتا ہوا صوفے کے سامنے والی تپائی کے نزدیک صوفہ پر آ بیٹھا۔ وہ ستاہٹ کی ایک لمبی سانس کھینچنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر میز پر پڑے ہوئے چند کاغذات پر پڑ گئی۔ وہ انھیں جھک کر دیکھنے لگا۔

وہ کاغذ کے تین سفید ٹکڑے تھے جن میں ایک پر کچھ آڑی ٹیڑھی لکیریں بنی تھیں۔ دوسرے ٹکڑے پر ایک بے ترتیب سا بے ہنگم نقشہ بنایا گیا تھا جو کچھ اس طرح تھا جیسے کسی نقشہ کو بناتے بناتے نصف پھاڑ دیا گیا ہو۔ اس نصف نقشہ میں بعض جگہ سرخ پنسل سے نشانات اور کچھ عجیب سے الفاظ ان نشانات کے پاس لکھے ہوئے تھے۔ خان نے ان دونوں کاغذات کو جیب میں رکھ لیا۔ لیکن تیسرا کاغذ بہت مضحکہ خیز تھا وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ شہناز بھی اسے حیرت سے جھکی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ اس کے ریشمی بالوں کی ایک لہراتی ہوئی لٹ جھوم کر نیچے

Akram Allahabadi

لٹک آئی تھی جس کی خوشبو سے خان کی ناک مہک اٹھی۔

"اُلو کی تصویر۔" وہ کچھ حیرت اور تمسخر سے مسکرا کر بولی۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" وہ اس اُلو کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

پنسل سے اسکیچ کی ہوئی اُلو کی یہ تصویر اپنی مضحکہ خیزی کے ساتھ ساتھ پراسرار بھی معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس کی دو ہی شکلیں ہو سکتی تھیں۔ یا تو اس کا تعلق ان باقی دو کاغذات سے تھا یا پھر اس مقام پر کچھ دیر پہلے موجود ہونے والی شخصیت منتشر الخیالی میں کسی مضحکہ خیز تصور سے متاثر ہو کر بے خیالی میں اُلو کی تصویر بنانے لگی ہو۔ خان اپنی جیب سے محدب شیشہ نکال کر اس کاغذ کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسکیچ کرنے والے کی انگلیوں کے نشانات اس کاغذ پر ہونا ضروری تھے۔ اور اس کا خیال صحیح نکلا۔ بہت خفیف سے دھندلے نشانات اس کی نظر سے نہ چھپ سکے۔ اس نے احتیاط سے اس تصویر والے کاغذ کو جیب سے ایک دوسرا کاغذ نکال کر اس میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور جلتی ہوئی سگریٹ کا وہ ٹکڑا جو اس نے بجھا دیا تھا رومال سے اٹھا کر ایک دوسرے کاغذ میں لپیٹتے ہوئے وہ اس کمرے کا دوبارہ جائزہ لینے لگا۔ کمرے کے روشندان جو مغربی اور جنوبی دیواروں میں بنے تھے، اتنے اونچے تھے کہ ان کے راستے کسی کا باہر سے اندر آنا اور آ کر واپس جانا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

"جو کوئی بھی آیا ہے وہ یقیناً آپ کے اسی چور دروازے سے آیا ہے۔" خان نے کہا۔

"مجھے خود حیرت ہے کہ وہ انسان تھا یا کوئی بلا۔ آخر کسی نے تو اسے دیکھا ہوتا۔ مگر..." کہتے کہتے اس کی آواز حلق میں اٹکنے لگی۔ خان اس کی صورت دیکھنے لگا۔ "مگر کہیں پاپا کی روح نہ ہو۔" اس نے بیٹھے ہوئے گلے سے اپنا جملہ پورا کر دیا۔

"آپ نے بھی کمال کر دیا۔ بھلا آپ کے پاپا کی روح یہاں اطمینان سے بیٹھ کر سگریٹ پئے گی۔ اور روحیں یقیناً مارکووچ کی ریڈ اینڈ وہائٹ نہ پیتی ہوں گی۔" وہ ہنس کر بولا۔

شہناز کو اس کے جملے پر جھینپ جانا پڑا۔اس کے بعد وہ اس لائبریری سے باہر نکل آئے۔خان نے شہناز کو رات والے واقعے کو وہم سمجھ کر بھول جانے کی تلقین کرتے ہوئے اپنی طرف سے وقتاً فوقتاً خبر گیری کرتے رہنے اور خاص کر اُلّو کی تصویر کا حال بتانے کا وعدہ کیا۔اور اس سے یہ وعدہ لے کر چلا آیا کہ آج کے واقعات کا ذکر کسی سے نہ کرے گی حتّیٰ کہ اپنے گھر میں بھی نہیں۔

''تمھاری رپورٹ کیا ہے بالے۔''خان نے آرام کرسی کے فولڈنگ سپورٹرز پر پیر پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔وہ آج کافی تھک گیا تھا۔پروفیسر ارسلان کے بنگلہ سے واپس آ کر وہ تقریباً تین گھنٹہ تک سفید کاغذ کے ان تین ٹکڑوں سے سر مغزنی کرتا رہا تھا، جو اسے ارسلان کی لائبریری سے ملے تھے۔لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچ کر وہ جھنجھلا اٹھا۔اس نے اُلّو کی تصویر والا کاغذ فنگر پرنٹس لینے کے لئے پولیس ہیڈ کوارٹرز بھیج دیا جس پر ٹیلیفون سے ساتھی پولیس افسروں کے طرح طرح کے تبصرے سننے کو ملے تھے۔کوئی پوچھ رہا تھا'' کیا یہ تمھاری تصویر ہے۔''کسی نے کہا۔'' خاں صاحب نے ایک اُلّو مارا۔'' کسی کا فون آیا۔'' بھئی اس اُلّو وانہ آرٹ کا جواب نہیں۔'' لیکن یہ تبصرے چند مخصوص افسروں تک محدود تھے۔حتیٰ کہ خود بالے وغیرہ کو اس کی خبر نہ تھی۔بالے کو خان نے انجنیئر داؤد کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا تھا اور اس وقت وہ شائد اپنا کام ختم کر کے ہی آیا تھا۔

''وہ نیم خبطی قسم کا ادھیڑ عمر آدمی ہے۔اس کی آنکھیں بجّو جیسی اور سر لوکی کی تو مڑی کی طرح صاف ہے، جیسے ٹینس کورٹ۔کم بخت چوہوں جیسی مونچھیں رکھتا ہے اور ہر وقت ناک سکوڑتا رہتا ہے۔اگلے دو دانت سور کی طرح بڑے بڑے ہیں۔''

''ختم کرو یہ بکواس۔میں اس کا حلیہ نہیں، شخصیت جاننا چاہتا ہوں۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ آپ سیڑھی در سیڑھی چلیں گے۔''بالے بھولا سا منھ بنا کر بولا۔

''اُلو۔'' خان بگڑ کر اُٹھنے لگا۔ ''میں بہت تھکا ہوا ہوں۔صرف کام کی باتیں کرو۔''

''اُلو۔'' بالے چونک سا پڑا۔ ''ارے ہاں۔اس کے کمرے میں ایک اُلو کا مجسمہ بھی رکھا ہوا ہے۔''

''اُلو کا مجسمہ؟'' خان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''کیسا ہے وہ؟'' اس نے پوچھا۔

''پتھر کا۔کوئی ایک فٹ اونچا۔'' بالے نے بتایا۔ ''میرا خیال ہے کہ اس اُلو کا تعلق ضرور اس انجینئر کی کسی پیڑھی سے ہوگا۔لیکن آپ چونکے کیوں؟'' بالے نے سوال کیا۔

''ارسلان کی لائبریری سے بھی اُلو کی ایک تصویر ملی ہے۔'' خان نے بتایا۔

''اُلو پرست ہوں گے دونوں۔میں نے تو کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ قدیم رومی دیوتا اُلو کے دم کے پر اپنی کلغی میں لگاتے تھے۔'' بالے نے تبصرہ کیا۔

''گدھے وباز کے پر ہوتے تھے۔خیر یہ فضول بات چھوڑو۔ہاں اور کیا؟''

''اور یہ کہ انجینئر کے آگے پیچھے کوئی نہیں،یعنی بے ماں باپ کا پیدا ہوا تھا اور بے اولاد مرے گا۔''

''پھر وہی بکواس۔'' خان نے بگڑ کر سگریٹ کا ٹن اسے مارنے کے اٹھایا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ ریڈ اینڈ وہائٹ پیتے ہیں۔ڈبہ کیوں دکھا رہے ہیں آپ۔'' وہ اپنی جگہ سے کھسکتے ہوئے بولا۔

''ریڈ اینڈ وہائٹ؟'' خان کو لائبریری سے ملنے والا سگریٹ کا ٹکڑا یاد آ گیا۔

''اس شہر میں میں نے ایسی دو ہی شخصیتیں دیکھی ہیں اب تک۔ایک پروفیسر حرانخو رکیعنی زندہ جانوروں کا گوشت کھانے والا اور ایک آپ۔'' بالے نے اپنے موڈ کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

''پروفیسر نومان۔'' خان بڑبڑایا۔ ''لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہی سگریٹ پیتا ہے۔'' خان نے کچھ سوچتے ہوئے دریافت کیا۔

Akram Allahabadi

"آپ ہی نے تو بتایا تھا کہ اس دن کلب میں وہ یہی سگریٹ پی رہا تھا۔" بالے نے سادگی سے کہا۔

"اوہ۔" وہ یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔ بالے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"ہاں اور کیا معلوم کیا؟ آج ذرا تم اپنی بیہودگی میں بھی کام کی باتیں کر رہے ہو۔" خان نے اپنی خاموشی کو توڑا۔

"میری کوئی بات مصلحت سے خالی نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ پروفیسر ارسلان کے قتل والے دن سے ایک دن قبل انجینئر داؤد کو جاڑا دے کر بخار چڑھا اور وہ دوسرے دن تک گھر سے باہر نہیں نکلا تو۔"

"کون کہتا ہے؟"

"وہ خود کہہ رہا تھا، اس کے نوکر کہہ رہے تھے اور اس کے ڈاکٹر کا کہنا ہے۔"

"تو پروفیسر نومان کو تو ضرور اس دن ہیضہ ہوا ہوگا۔" خان مسکراتے ہوئے بولا۔

"وہ کیوں؟" بالے نے ڈبہ سے ایک سگریٹ نکالتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے کہ پروفیسر ارسلان کے ساتھ شکار پر نہ جانے کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے کچھ تو طریق کار ہونا چاہئے۔"

"لیکن یہ خون ہوا کیوں؟"

"حالات بہت پیچیدہ نظر آ رہے ہیں۔ چند بوسیدہ تاریخی نسخوں سے لے کر اُلو کی تصویر اور اُلو کے مجسمہ تک پراسرار بن گئے ہیں۔" خان بولا۔ "اچھا انجینئر کی مشغولیات آج کل کیا ہیں۔"

"وہ محکمۂ آثار قدیمہ کے شعبۂ تحقیق میں انجینئر کے عہدے پر فائز ہے اور اسی سلسلے میں نندیا کے جنگلوں میں اس پار پہاڑوں کے دامن میں کسی قدیم شہر کے آثار کی تحقیق کے کام میں مقتول پروفیسر ارسلان کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اسے ارسلان کی موت کا اتنا

Akram Allahabadi

افسوس ہے جتنا ایک بھائی جیسے دوست کے بچھڑ جانے کا۔"

"مکّار۔" خان نے دانت پیسے۔

"اور کچھ۔" اس نے پھر پوچھا۔

"اور کچھ یہ کہ وہ بھی کلچرل سوسائٹی کا ممبر ہے کیونکہ اس کے کمرے میں پیگ سٹ پر لٹکے ہوئے کوٹ کی جیب پر بھی وہی چھوٹا سا مونوگرام تھا جو پروفیسر ارسلان اور کلب کے دوسرے ممبروں کی جیبوں پر اس دن آپ نے دیکھا تھا۔"

"کافی باریک نظریں رکھنے لگے آج کل۔" خان مسکرایا۔

"تو کیا آپ نے پیدائشی گدھا سمجھا تھا مجھے۔"

"خیال تو کچھ ایسا ہی تھا۔"

"وہ ہوگا آپ کا لاڈلا جرنلسٹ۔" یہ کہتے ہوئے بالے نے تنویر کو منہ ہی منہ میں دو چار موٹی موٹی گالیاں اور دے ڈالیں۔

"ارے ہاں۔ وہ ابھی تک نہیں آیا۔ کتنی دیر ہوئی مجھے فون کیے ہوئے۔"

"آئے گا نخرے کرتا ہوا آرام سے۔ وہ فلاں وزیر کی دعوت آ گئی تھی۔ فلاں لڑکی نے گلے میں ہاتھ ڈال کر امریکی فلموں کی طرح محبت کا اظہار کیا تھا یا پھر موٹر سائیکل کا پیٹ پھٹ گیا ہوگا کہیں۔" بالے نے سلسلہ وار جملوں میں اپنی ساری بھڑاس نکال ڈالی۔ لیکن اسی وقت برآمدے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔

"لو آ گیا تمھارا ملک الموت۔" خان نے مسکرا کر کہا۔

"میں اس سے ہر وقت فری اسٹائل میں کشتی لڑنے کو تیار ہوں۔" بالے نے اپنے ایک بازو کی مچھلی پھلاتے ہوئے گھوم کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اس وقت کسی قسم کے مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" تنویر نے اندر آتے ہی بالے کی طرف دیکھے بغیر خان سے کہا۔

"میں ہر سنسنی خیز جرنلسٹ سے گفتگو کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔" بالے نے یہ کہہ کر رخ دوسری طرف کرلیا۔

"اس شخص کے سر پر صرف سینگ کی کسر ہے۔" تنویر نے جل کر کہا۔

"اور تمھارے فقط دُم کی۔"

"شٹ اپ۔" تنویر گلا پھاڑ کر چیخا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔ آخر تم لوگوں نے عقل کہاں بیچ دی ہے۔" خان نے دونوں کو ڈانٹا۔

"میں نے تو سیف ڈیپازٹ میں رکھ دی ہے۔ کسی اور نے چور بازار میں بیچ دی ہو تو وہ جانے۔" بالے نے پھر لڑاکا بچوں کی طرح بھولا سا منھ بنا کر تنویر کی طرف دیکھے بغیر جملہ ادا کیا۔

"حرام خور۔" تنویر اس پر گھونسہ تان کر دوڑا۔

"وہ پروفیسر نومان ہے، اور تم بڑے اچھے آدمی ہو پیارے جرنلسٹ۔" بالے نے فوراً اپنا لہجہ بدل دیا اور تنویر واقعی غصہ میں ہوتے ہوئے بھی مسکرایا۔

"جاؤ معاف کیا۔" وہ بولا۔

"بھئی خدا کے لئے ان فضولیات میں وقت برباد نہ کرو۔ تنویر میں نے تمھیں چند قدیم تاریخی کاغذات کا فارسی سے اردو یا انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے بلایا ہے۔ میری فارسی بہت کمزور ہے۔" خان نے کہا۔

"لایئے۔ ابھی کئے دیتا ہوں۔"

"یہاں نہیں، چلو اندر والے کمرے میں بیٹھیں گے۔ وہ تاریخی کاغذی نسخے کی چندھیاں کافی اہم معلوم ہوتی ہیں۔" خان یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بالے اور تنویر بھی سنجیدہ ہو چکے تھے۔ وہ اس کے پیچھے دوسرے ملحقہ کمرے میں داخل ہو گئے اور ملازم غلام رسول کو کسی کو آنے

Akram Allahabadi

نہ دینے کی ہدایت کر کے انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

Akram Allahabadi

پارینہ دستاویز

ان بوسیدہ قلمی نسخوں کا ترجمہ کر لینا اتنا مشکل نہ تھا جس قدر ان کا سلسلہ ملانا۔ تنویر کو تقریباً نصف گھنٹہ لگ گیا اور جس وقت اس نے ترجمہ مکمل کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کاغذات خود نامکمل ہیں اور ان کا ایک بڑا حصہ جو دوسرے کئی صفحات پر مشتمل ہو سکتا ہے، غائب ہے۔ بہر حال جس قدر مواد حاصل ہو سکا تھا وہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ اگر اس کے ساتھ پروفیسر ارسلان کی تجوری اور نندیا کے پہاڑوں کے اس پار ایک برباد شہر کے تاریخی کھنڈرات کا تذکرہ وابستہ نہ ہوتا تو وہ اسے پڑھ پڑھ کر قہقہے لگائے بغیر نہ رہتے۔ تجوری میں رکھی ہوئی جس تاریخی کتاب کے ۱۷۱ اور ۱۷۲ نمبر کے صفحات وہ پھاڑ لایا تھا وہ سونے پر سہاگہ تھے۔ ان میں قدیم مالوہ کی سر حد کی ایک بڑی قدیم جاگیر کا تذکرہ تھا، جس کا تاریخی سلسلہ اکبر اعظم کے دور سے ملتا تھا۔ یہ جاگیر اب جس کا نام ونشان بھی نہیں "ریاست پرم پور" کے نام سے مشہور تھی۔ تذکرے میں اس کے محل وقوع اور دوسری روایات کے ساتھ راجہ پرم پور کے بارے میں لکھا تھا کہ راجہ پرم سنگھ جو ۵۲ گاؤں کی اس جاگیر کے مالک تھے، ظلِ سبحانی (اکبر) کے ایک درباری کی حیثیت سے شہنشاہ کی مصاحبت تک پہنچے تھے۔ ان کی سادگی اور بھولا پن شہنشاہ کو پسند تھا۔ ایک دن جب شہنشاہ اپنی سالگرہ کے موقع پر بہت خوش تھے، راجہ پرم سنگھ سے نہ جانے ایسی کون سی حرکت سرزد ہو گئی جس پر بجائے ناراض ہونے کے بادشاہ نے ہنستے ہوئے انھیں 'اُلّو' کہہ دیا، اور تب سے مصاحبوں میں ازراہِ مذاق وہ 'شاہی اُلّو' مشہور ہو گئے تھے۔ بادشاہ تک جب یہ بات پہنچی تو انھوں نے ازراہِ خوش مذاقی ایک نجی نشست میں پرم سنگھ کو 'شاہی اُلّو' کا باقاعدہ خطاب ہی دے دیا اور اعزاز میں مالوہ کی سرحد پر پھیلا ہوا ایک ۵۲ گاؤں کا بڑا علاقہ انھیں جاگیر کے طور پر عنایت کر دیا۔ چنانچہ وہی شاہی اُلّو پرم سنگھ، راجہ پرم سنگھ بن گئے اور ان کے

Akram Allahabadi

علاقہ کا نام پرم پور ہو گیا۔ انھیں شاہ کے اس پیار سے دیئے ہوئے خطاب پر ناز تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی اولادوں کو وصیت کی کہ سلطنت مغلیہ کا سایہ ہم پر قائم رہے۔ میرا ہر جانشین اس خطاب کو اپنا موروثی اعزاز سمجھ کر محفوظ رکھے گا اور اسی مناسبت سے جب راجہ پرم سنگھ کے جانشین لڑکے راجہ دھرم سنگھ شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوئے تو انھوں نے آداب بجالا کر عرض کیا کہ 'غلام کو شاہی اُلّو کہلانے کا فخر حاصل ہے۔" شہنشاہ جہانگیر کو جنت مکانی کے دور کے راجہ پرم سنگھ یاد آ گئے اور انھوں نے راجہ دھرم سنگھ کو بڑے پیار سے پاس بلا کر ان کی پیٹھ تھپکی اور دس گاؤں اور جاگیر میں عطا کر دیئے۔ ان صفحات پر اس سے آگے اس 'شاہی اُلّو خاندان' کا ذکر ختم ہو گیا تھا اور اس کے بعد تاریخی روایات نامعلوم تھیں۔ لیکن ان صفحات سے پھر وہ قلمی مسودے جو شاید خود راجہ دھرم سنگھ یا ان کے کسی مصاحب کے لکھے ہوئے تھے پوری طرح وابستہ ہو گئے تھے۔ وہ اسی 'اُلّو خاندان' کا قلمی وصیت نامہ تھا جو اس وقت نامکمل حیثیت میں ان کے سامنے تھا۔

"واللہ، جواب نہیں اس اُلّو یت کا۔" سارجنٹ بالے کا قہقہہ پھوٹ پڑا۔

"مردود، وہ سنجیدہ اُلّو تھے۔ تم جیسے نہیں۔" خان نے اس کی طرف رخ کر کے کہا۔

"کچھ بھی ہو لیکن ایسی حیرت انگیز بلکہ مضحکہ خیز تاریخی روایات آج تک میری نظر سے نہیں گذریں۔" تنویر بھی اپنی کرسی پر گھومتے ہوئے بولا۔

"کیونکہ امور سلطنت اور شاہی تاریخی روایات سے یہ چیزیں غیر متعلق اور نجی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس لئے انھیں اہمیت ہی نہ دی ہوگی مورخوں نے۔" خان نے جواب دیا۔

"لیکن ہمارا ان سے کیا تعلق؟"

مجھے شک ہو رہا ہے کہ تندیرا کی پہاڑیوں کے پیچھے والے تاریخی کھنڈرات پرم پور کا برباد شہر ہی نہ ہو۔"

"اس کے لئے ہمیں خود وہاں چل کر دیکھنا ہوگا کہ آیا ان کے آثار اس وصیتی دستاویز

Akram Allahabadi

کے ٹکڑوں سے ملتے جلتے ہیں یا نہیں۔اس طرح خودبخود ہمارے شبہات کی تصدیق ہو جائے گی۔" تنویر نے کہا۔

"تو آپ پروفیسر ارسلان کے قتل کو اس تاریخی اُلوؤں کی داستان سے وابستہ کر رہے ہیں؟" بالے نے پوچھا۔

"نندیرا کے جنگل میں شکار، نندیرا کی پہاڑیوں کے اس پار کسی برباد شہر کے کھنڈرات میں آثار قدیم کی تحقیق، انجینئر داؤد کے یہاں اُلو کے مجسمہ کی موجودگی، ارسلان کی لائبریری میں اُلو کی تصویر اور اس کے ساتھ کا مبہم خاکہ اور پھر اس قدیم شہر کے کھنڈرات کے اطراف میں تحقیق، حیوانات کے پروفیسر نومان کا قدیم نسل کے جانوروں اور بالخصوص کسی تاریخی اُلو کو تلاش کرنا، سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں جن کا آغاز یقیناً پروفیسر ارسلان مرزا سے ہوا ہوگا۔اس اُلو خاندان کی تاریخی روایات کی تحقیق کے بعد شاید ان ہی کھنڈروں سے حاصل ہونے والی اس قلمی دستاویز کے ٹکڑوں میں ارسلان نے کسی اور پراسرار چیز کی جھلک دیکھی ہوگی، جس کی تحقیق یا بازیافت کے کام میں اسے پروفیسر نومان اور انجینئر داؤد کو بھی ہم راز بنانا پڑا ہوگا کیونکہ یہ دونوں بھی اسی طرح کا کام کر رہے تھے۔" خان نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ایسی کیا چیز ہو سکتی ہے؟" بالے نے پوچھا۔

"ممکن ہے کوئی خزانہ۔" خان نے جواب دیا۔"ہاں تنویر، ذرا اپنا ترجمہ تو پڑھو پھر سے۔" اس نے کار زکوچ پر نیم دراز ہو کر کہا۔

لیکن تنویر نے بجائے پڑھنے کے وہ ترجمہ اس کے سامنے ہی رکھ دیا۔

'بے ہنگم سے جملے ہیں، پڑھوں کیا خاک۔خود دیکھ لیجئے۔" وہ بولا۔

خان اس کاغذ پر جھک گیا۔بالے بھی نزدیک ہو کر دیکھنے لگا۔

مضمون بغیر تمہید کے تھا۔ممکن ہے اس کا شروع کا حصہ غائب ہو۔

Akram Allahabadi

"گیارہواں شاہی اُلّو آج کا سردار ہے۔بارہواں کل بنے گا۔دنیا گیارہ طبق میں تقسیم ہوئی ہے۔ہر اُلّو کا ایک طبق۔ہر طبق کا ایک اُلّو۔پہلا تو پکڑ لو، اڑنے نہ پائے۔وہ دوسرے اُلّو کا پیٹ پھاڑ دے گا۔دائیں گھوم کے بائیں چلو۔اگر تم اُلّو ہو، تو سارے اُلّو تمھارے ساتھ ہیں۔اگر تم نہیں ہو تو تم پر لعنت ہے۔دروازہ مت کھولو۔ہاتھی کاٹ لے گا، وہ گیارہویں طبق میں بند ہے۔تمھارا انتظار کر رہا ہے۔اُلّو تم کو سبق پڑھائیگا۔گیارہواں، تم تیرہویں کے لئے بارہواں بناؤ گے۔میں نے دس اُلّوؤں کے لئے گیارہواں بنایا ہے۔سیڑھی سے چڑھنا اچھا نہیں۔اترنا اچھا ہے۔سانپ چبوترے پر بیٹھا تلوار کو گھور رہا ہے۔تلوار ہاتھ میں لے لو اور اندر چلے جاؤ۔ورنہ کاٹ کھائے گا۔اندھیرے میں بلی روتی ہے۔چپ ہو جائے تو دُم سے گود میں اٹھا لینا۔کنوئیں میں کود جاؤ تو روشنی ملے گی۔اور وہ ملے گی۔کھانا نہیں۔حفاظت کرنا۔آنے والے اُلّو تم سے حساب مانگیں گے۔پہلا اُلّو وہاں بیٹھا ہے جہاں آسمان جھک آیا ہے۔وہ شاہی اُلّو ہے۔ہم اس کی نسل سے ہیں۔پہاڑ لرزنے والے ہیں۔شاید تب تک تم نہ لوٹو۔مگر لوٹنا تو یاد رکھنا۔دنیا گیارہ طبق میں تقسیم ہے۔ہر اُلّو کا ایک طبق ہے۔ہر طبق کا ایک اُلّو۔گیارہواں تمھارا باپ ہے۔وہ تمھیں سب کچھ دے دے گا۔"

دو اوراق ان بے ہنگم اور عجیب سے جملوں میں ختم ہو گئے۔تیسرا ورق زیادہ بوسیدہ تھا۔اس پر کوئی نقشہ بنا تھا جو بیچ سے پھٹ جانے سے نامکمل تھا۔پھر بھی تنویر نے کاغذ پر اس کا ایک کسی قدر ممکن خاکہ بنا لیا تھا جو بہر حال ان کی سمجھ میں نہ آ سکا۔پھر بھی خان نے اسے احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔کیا عجیب وغریب بکواس ہے۔" بالے نے اپنی کرسی پر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹے یہی بکواس ہے جس نے شہر کے تین سمجھدار آدمیوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔" خان بولا۔

"آپ کا اشارہ غالباً پروفیسر نومان اور انجینئر داؤد کی طرف ہے۔" تنویر نے مسکرا کر کہا۔

"عقل تو آ گئی ہے تمھارے بھیجے میں۔ لیکن ایک اور ایسی شخصیت بھی ہے جو نامعلوم ہے۔ اور یقیناً اس راز کی بڑی کنجی اسی کے پاس ہوگی۔ ورنہ نومان اور انجینئر اب تک اپنا کام کر چکے ہوتے۔"

"وہ کون ہو سکتا ہے۔"

"یہی معلوم کرنا پڑے گا۔"

"تو پھر اب؟"

"کل صبح مجھے پروفیسر نومان سے ملنا پڑے گا اور اس کے بعد ہم چلیں گے شکار پر۔"

"شکار۔ یعنی کہ پھر وہی خبط۔"

"بیٹے جرنلسٹ اب کی بار لطف آجائے گا تمھیں۔"

"جب چلیں گے تب دیکھا جائے گا۔ اس وقت تو بندہ چلتا ہے اور ہاں وائس چانسلر شکلا سے میری ملاقات نہیں ہو سکی۔" وہ چلتے چلتے بولا۔

"سر دست اس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔" خان نے بات ختم کر دی۔

دوسرے دن صبح ساڑھے آٹھ بجے ہی خان پروفیسر نومان کے بنگلے میں ان کے سامنے بیٹھا تھا۔

"آپ اور انجینئر داؤد دونوں پروفیسر ارسلان کے ساتھ ان کی موت سے پہلے شکار پر گئے تھے۔ کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں؟" خان نے سامنے رکھی ہوئی چائے کی پیالی کو ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"مسٹر بنگالی۔ مجھ سے آپ کو اس قسم کا سوال پوچھنے کا کیا حق ہے؟" پروفیسر کے رعب والے چہرے پر درشتگی کے آثار پیدا ہو گئے۔

Akram Allahabadi

"میں پروفیسر بنگالی نہیں۔محکمہ خفیہ کا سپرنٹنڈنٹ خان ہوں۔" خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"سپرنٹنڈنٹ خان۔" پروفیسر نومان چونک پڑا۔ "مگر آپ تو کلب میں..."

"جی۔وہاں میں نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ پولیس آفیسر کی موجودگی سے آپ کی توہین نہ ہو۔" خان نے اتنی سادگی سے یہ جملہ ادا کیا کہ پروفیسر نومان کی کیفیت اعتدال پر آ گئی۔

"ہم تندیرا کے جنگل میں شکار کھیلنے ضرور گئے تھے،لیکن بدقسمتی سے پروفیسر ارسلان شکار کی تلاش میں اپنے نوکر سمیت ہم سے بچھڑ گئے۔ہم نے انھیں بہت تلاش کیا لیکن جب وہ نہ ملے تو ہم سمجھے کہ وہ ہمیں تلاش کر کے شاید چلے گئے ہوں گے۔دوسرے دن میں نے انھیں فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ آج دفتر ہی نہیں آئے۔انجینئر صاحب کو واپسی پر بخار آ گیا تھا۔میں ان کی تیمارداری کو چلا گیا۔اور ارسلان کے بارے میں سوچا،ممکن ہے تھکن کی وجہ سے گھر پر آرام کر رہے ہوں۔تیسرے دن سویرے میں ان کے گھر جانے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ اخبار میں ان کی موت کی خبر پڑھ کر سکتے میں رہ گیا۔" پروفیسر نومان نے یہ کہتے ہوئے اپنے خشک گلے کو تر کرنے کے لئے تھوک نگلا۔

"لیکن آپ نے ان کی گمشدگی کے بارے میں پولیس کو خبر کیوں نہیں کی۔شکار میں کسی کا کھو جانا خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔مثلاً شکاری کہیں خود شکار نہ ہو گیا ہو۔"

"پروفیسر ارسلان بہت باہمت اور بہترین نشانہ باز تھے۔ان سے ایسی توقع نہ تھی۔" پروفیسر نومان نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ان کے قتل کی خبر پڑھنے کے بعد تو آپ کو اپنی صفائی کے لئے پولیس کو اطلاع دینی تھی؟" خان نے کہا۔

"میں عجیب سے تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ڈر رہا تھا کہ کہیں پولیس ہم پر شبہ نہ کرے

Akram Allahabadi

کیونکہ پروفیسر ارسلان ہمارے ساتھ ہی شکار پر گئے تھے۔" نومان نے مطمئن لہجہ میں جواب دیا۔

"آپ وہاں سے کس وقت لوٹ آئے تھے۔"

"تقریباً رات کو دس بجے کیونکہ انجینئر صاحب کو وہیں سے بخار محسوس ہونے لگا تھا۔"

"لیکن آپ کے نوکر کا تو بیان ہے کہ آپ یہاں صبح سات بجے پہنچے ہیں۔" خان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی ہاں، یعنی کہ گھر۔" وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ "ہاں گھر میں اسی وقت پہنچا ہوں۔ دراصل میں انجینئر صاحب کی طبیعت بگڑنے کی وجہ سے رات ان کے یہاں ہی ٹھہر گیا تھا۔" پروفیسر نے اکھڑے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ کی بوندیں جھلک اٹھی تھیں۔

"ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنا بہت برا ہے پروفیسر صاحب۔ انجینئر داؤد کا بیان ہے کہ وہ دو دن سے بخار میں پڑے تھے۔ وہ کہیں شکار وغیرہ کو گئے ہی نہیں اور ان کے ایک خاص نوکر کا بیان ہے کہ وہ اور آپ پروفیسر ارسلان کے ساتھ شکار پر گئے تھے۔ اس لئے اس کے قتل کے مجرم آپ اور انجینئر داؤد دونوں ہیں۔" خان نے کہا۔

"چپ رہو۔" نومان زور سے چیخا۔ "میں نے آج تک کسی کا خون نہیں کیا۔ میں خون وفساد سے نفرت کرتا ہوں۔ چولھے میں گیا تمھارا قانون اور تم۔"

"لیکن میں آپ کا وارنٹ..." ابھی خان اس قدر کہہ پایا تھا کہ نومان کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے، مجھے تمھاری یا تمھارے وارنٹ کی پرواہ نہیں۔" نومان بگڑ گیا۔

Akram Allahabadi

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہوش میں نہیں ہیں۔قانون سے ٹکرانا شریفوں کا شیوہ نہیں۔مجھے مجبوراً کوئی اور راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔" خان بھی طیش میں آ کر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔لیکن اس سے قبل کہ وہ کچھ اور کہے پشت سے اچانک کوئی سخت سی چیز اس زور سے اس کے سر پر پڑی کہ وہ تیورا کر فرش پر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔اس کے سر کی داہنے سرے کی اونچی ہڈی پر کاری ضرب لگی تھی جس سے خون نکل پڑا تھا۔

"یہ کیا، کیا تم نے نا معقول؟" وہ سامنے کھڑے ہوئے ایک دہرے جسم کے خوفناک صورت آدمی سے بولا، جو ہاتھ میں ایک موٹا سا رولر لئے کھڑا فرش پر پڑے خان کو گھور رہا تھا۔اس نے پروفیسر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"جلدی سے پچھلے دروازے سے نکل کر کار نکالو۔میں آ رہا ہوں۔" پروفیسر گھبرا کر بولا۔اور وہ آدمی ہدایت کے مطابق کمرے کے پچھلے دروازے میں گھس کر غائب ہو گیا۔ پروفیسر نے جلدی میں الماری کھولی اور اس سے چند کاغذات کا چھوٹا سا پلندہ اور نوٹوں کے تین چار بنڈل نکال کر جیب میں ڈالنے کے بعد گھبراہٹ میں اسے کھلا ہی چھوڑ کر کمرے کے پچھلے دروازے سے نکل گیا۔

باہر سپرنٹنڈنٹ خان کی کار میں موجود تنویر اور سارجنٹ بالے نے عمارت کی پچھلی سمت کسی موٹر کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور ایک منٹ کے بعد ہی پروفیسر نومان کی سبز شیورلیٹ کار برق رفتاری سے دھول اڑاتی ہوئی ان کے قریب سے گذر گئی۔

"وہ جا رہا ہے۔" تنویر چیخا۔

"کون؟"

"وہی نومان کا بچہ۔"

"تو تم اندر دیکھو۔میں اس کا پیچھا کرتا ہوں۔" بالے نے یہ کہہ کر اپنی کار بھی اسٹارٹ کر دی۔تنویر کار کا دروازہ کھول کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا پروفیسر نومان کے بنگلہ میں

Akram Allahabadi

گھس گیا اور ربالے نے کار پروفیسر نومان کے تعاقب میں دوڑا دی۔

Akram Allahabadi

روح کا غُصّہ

خان کے ہوش میں آنے کے بعد خان اور تنویر کرائے کی ٹیکسی لے کر سیدھے ایک قریب کے پبلک ٹیلیفون تک جا پہنچے۔ تنویر نے پروفیسر نومان کی کار کا نمبر دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ یہاں سے تمام پولیس اسٹیشنوں کو مطلع کر دیا گیا کہ وہ اس نمبر کی کار کو گھیر لیں۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک ڈاکٹر کی ڈسپینسری میں گھس گئے، جہاں خان نے سر کے زخم کی ڈریسنگ کرائی۔ یہاں سے دوسری ٹیکسی لے کر وہ پولیس ہیڈ کوارٹرز پہنچ گئے۔ اس وقت اتفاق سے آئی جی پولیس خود موجود تھے۔ خان نے موٹے موٹے الفاظ میں انھیں پوری زبانی رپورٹ پیش کر دی اور وہ شہر کی ان معزز شخصیتوں کے نام سن کر حیران رہ گئے۔

"بھلا ان کمبختوں پر کس کو شک ہو سکتا تھا؟" وہ بولے۔

"اگر پروفیسر ارسلان کی لاش کو دیہاتی لباس نہ پہنایا جاتا اور یہ لوگ اگر ان کے پہاڑ سے گر کر مر جانے کی رپورٹ بھی دے دیتے تو پولیس کو ان پر شبہ نہ ہوتا لیکن حالات شروع سے ہی ایسے تھے کہ مجھے ارسلان کے خاص خاص ساتھیوں پر شبہ کرنا پڑا۔"

"تم نے کون سی دستاویز کا ذکر کیا تھا ابھی۔"

"ابھی میں اس کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ سب کچھ ایک شیخ چلی کا خواب ہی ہو۔ بہر حال میں بہت جلد تحقیق کر کے آپ کی خدمت میں مفصل رپورٹ پیش کروں گا۔" اس نے مؤدب پیرائے میں آئی جی سے کہا۔

"جیسا بہتر سمجھو۔" آئی جی یہ کہہ کر کچھ کاغذات دیکھنے لگے۔ اتنے میں نیچے سے ریکارڈ روم کے انچارج نے آ کر اطلاع دی کہ اس اُلّو کی تصویر والے کاغذ پر جو انگلیوں کے نشانات پائے گئے تھے، ان کا فنگر پرنٹ تیار ہو کر آ گیا ہے۔ خان اپنے آفس میں آ کر اسے

دیکھنے لگا۔ پھر اچانک اسے نہ جانے کیا یاد آ گیا کہ وہ تنویر کی طرف گھوم پڑا۔

"تنویر، تم فوراً سب انسپکٹر ترپاٹھی کو ساتھ لے کر پروفیسر نومان کے گھر چلے جاؤ۔ وہ الماری کھلی چھوڑ گیا تھا۔ اس کے دروازوں کے پٹوں پر نومان کی انگلیوں کے نشانات موجود ہوں گے۔ وہ اس وقت دستانے بھی نہیں پہنے تھا۔ تم ان نشانات کے پرنٹ بھی نکلوا لو۔"

"اچھا۔" یہ کہہ کر تنویر باہر چلا گیا تھا۔ خان نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا۔

"خفیہ کے سب انسپکٹر فدا علی کو بلاؤ۔"

چپراسی ادب سے سر ہلا کر چلا گیا اور دو منٹ بعد ہی بھاری قدموں کے ساتھ کوئی دروازہ کھول کر اندر آ پہنچا۔ وہ سب انسپکٹر فدا علی تھا۔ ایک عظیم الجثہ سنجیدہ سا آدمی۔ وہ اسے سلام کر کے میز کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"دیکھئے، نمبر ۱۵، بینک اسٹریٹ پر پروفیسر نومان کے بنگلہ پر خفیہ کے دو مستعد آدمی ڈیوٹی پر لگا دیجئے جو ہر وقت اس مکان میں آنے جانے والوں پر نظر رکھیں۔ اور خاص کر پروفیسر نومان پر۔ میرا خیال ہے کہ وہ سردست غائب ہی رہے گا۔ پھر بھی ممکن ہے کسی وقت لوٹے۔ اس کی آمد کا شبہ ہوتے ہی مجھے خبر کر دی جائے، بلکہ ممکن ہو تو گرفتار کر لیا جائے۔ اور آپ سارجنٹ بالے کے آتے ہی اسے ساتھ لے کر پروفیسر نومان کے کمروں کی تلاشی لے لیں۔ بالے کو معلوم ہے کہ اس تلاشی میں کیا کیا زیرِ غور رکھنا ہے۔"

"سر میں تکلیف کے علاوہ مجھے کچھ دوسرے ضروری کام بھی کرنے ہیں، ورنہ میں خود ہی جاتا۔" خان نے سب انسپکٹر فدا علی کو حکم دیا۔

"بہت خوب۔" وہ بولا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ خان نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو میں خان بول رہا ہوں۔ ہاں... کیا نکل گیا کمبخت... وہ تو میں جانتا ہی تھا کہ تم جیسے نامعقول اسے کیا پا سکیں گے۔ خیر لوٹ آؤ، میں پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ہوں... جلدی۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

Akram Allahabadi

"کون نکل گیا۔" سب انسپکٹر فدا علی نے پوچھا۔

"وہی پروفیسر نومان۔بالے کہتا ہے اس نے سائلنسر کھول کر سائلنسر پائپ سے اس قدر دھواں اڑایا کہ گاڑی کا آگے بڑھانا دشوار ہو گیا۔"

"قانون سے بچ کر کہاں جائے گا۔" فدا علی بولا۔

"میں جانتا ہوں وہ کہاں جائے گا۔خیر اسے میں سمجھ لوں گا۔بالے آ رہا ہے۔آپ پہلے یہ کام کر ڈالئے۔" خان نے بات مختصر کر دی اور خود اٹھ کھڑا ہوا۔اس وقت اس کے سر کے زخم میں تکلیف تھی اس لئے دو چار ضروری کاغذات دیکھنے کے بعد وہ کوتوالی انچارج کی جیپ میں بیٹھ کر سیدھا گھر چل دیا۔

"صاحب آج پھر صبح سے فون پر فون آ رہے ہیں۔" گھر میں داخل ہوتے ہی ملازم غلام رسول نے اسے ٹوکا۔

"کس کا فون تھا۔"

"لیزلی روڈ سے کوئی بیگم صاحبہ بول رہی تھیں شاید۔اچھا سا نام بتایا تھا انھوں نے۔" غلام رسول ذہن پر زور دینے لگا۔"شاید شونا ز...کہ..."

"ٹھیک ٹھیک ہے،میں سمجھ گیا۔اچھا تم کھانا لگاؤ جلدی سے۔مجھے ابھی جانا ہے۔"

"بہت اچھا۔" غلام رسول یہ کہہ کر چلا گیا اور وہ فون پر پروفیسر ارسلان کے بنگلہ کا نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو!جی میں خان ہی بول رہا ہوں۔جی ہاں فرمایئے..اوہ..اچھا میں ابھی صرف چند منٹ میں آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور جب تک منھ ہاتھ دھوئے غلام رسول کھانا لگا چکا تھا۔کسی قدر عجلت میں تھوڑا بہت کھا کر وہ اسی جیپ میں لیزلی روڈ کی طرف

Akram Allahabadi

روانہ ہوگیا۔

ارسلان کے بنگلہ کے پورٹیکو میں جب اس نے کار روکی تو شہناز اس کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ وہ کسی قدر پریشان معلوم ہو رہی تھی۔

"میں صبح سے کئی بار فون کر چکی تھی۔" اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"مجھے نوکر نے بتایا تھا۔ میں دراصل آپ کے باپ کے قاتل سے ہی نپٹنے گیا تھا۔"

"میرے باپ کا قاتل۔"

"جی ہاں تقریباً وہی۔"

"یعنی۔"

"پروفیسر نومان۔"

"نومان چچا۔" شہناز کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ "مگر وہ ایسے نہیں ہو سکتے۔" وہ بولی۔

"دنیا میں بہت سی نہ ہو سکنے والی باتیں بھی ہو جایا کرتی ہیں۔ بہر حال وہ دھوکے میں میرا سر توڑ کر فرار ہو گیا ہے۔ مگر جائے گا کہاں کمبخت۔" خان اس کے ساتھ برآمدہ طے کرتے ہوئے بولا۔ شہناز کی نظر خان کے سر کی ڈریسنگ پر جا پڑی۔ وہ کچھ مضطرب سی ہو گئی۔

"کیا کافی چوٹ آئی ہے۔" اس نے کچھ عجیب انداز سے پوچھا۔ اس کے لہجہ میں بیقراری تھی۔

"کیا اس قدر ہمدردی ہے مجھ سے۔" خان مسکرایا۔ جواب میں شہناز کچھ نہ بول سکی۔ اس کی پلکیں شرم سے جھک گئیں۔

"کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہم پولیس والوں کی جان تو ہر وقت سولی پر رہتی ہے۔"

Akram Allahabadi

خان نے بنگلہ کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" شہناز نے ایک صوفہ کی طرف اشارہ کیا اور خان بیٹھ گیا۔

"ہاں اب فرمایئے۔" اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔ شہناز اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔

"رات پھر پاپا کی روح ان کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ بہت پریشان تھی۔" شہناز نے بتائی۔

"آخر یہ روح صرف آپ کو ہی نظر آتی ہے یا کسی اور کو بھی۔" خان نے پوچھا۔

"اسے بوا نے بھی دیکھا تھا۔ وہ چیخ مار کر بیہوش ہوگئی تھی۔" شہناز نے بتایا۔

"آپ اس وقت کہاں تھیں؟"

"میں اپنے کمرے میں تھی جو پاپا کے روم سے ملا ہوا ہے اور ان کے روم کی کھڑکیوں کے شیشے سے اندر کا ماحول صاف دکھائی دیتا ہے۔ جس وقت ان کے کمرے میں آدھی رات کو روشنی ہوئی میں سوگئی تھی، مگر بوا جاگ رہی تھی۔ اس نے دیکھ کر چیخ ماری۔ اس پر میں بھی اٹھ بیٹھی۔ ہم دونوں نے کھڑکی کے نزدیک جا کر غور سے دیکھا تو واقعی پاپا کی روح کمرے چل رہی تھی۔ بوا تو چیخ مار کر بیہوش ہوگئی اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی کہ پاپا نے تجوری کے نزدیک پہنچ کر اسے ہاتھ لگایا اور تجوری کھل گئی۔ پھر وہ اس میں سے وہی تاریخی کتاب نکال کر دیکھتے رہے پھر نہ جانے کیا جھنجھلاہٹ ان پر سوار ہوگئی کہ انھوں نے اس کتاب کو زور سے پھینک دیا اور تجوری کے اوپر رکھے ہوئے گلدان کو ہاتھ مار کر گرا دیا۔ اس کے بعد وہ آنکھیں نکال کر میری طرف بڑھنے لگے۔ میں سکتے کے عالم میں کھڑی رہی۔ میرے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ وہ کھڑکی کھول کر کھڑے ہوگئے اور مجھ سے ڈانٹ کر پوچھا۔

"تجوری کس نے کھولی تھی۔ اُلّو کہاں اڑ گئے۔" میں اس عجیب سی گفتگو سے اور خوف زدہ ہوگئی۔

Akram Allahabadi

"بے وقوف لڑکی۔ میں تمھارا گلا گھونٹ دوں گا۔" وہ پھر غضبناک ہوکر بولے۔

"بتاؤ۔" انھوں نے تیسری بار یہ کہہ کر میری گردن کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ میں خوف زدہ ہوکر چیخ پڑی اور بیہوش ہوگئی۔ اس کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو امی اور نوکر سب مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے پاپا کے کمرے کی طرف دیکھا جہاں اندھیرا تھا۔ اور صبح جب ہم لوگ اس کمرے میں گئے تو وہاں ہر چیز اپنی جگہ محفوظ تھی۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں اور دروازہ بھی اندر سے بند۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ پاپا کی روح کیوں بھٹک رہی ہے۔ اس کتاب میں کیا تھا۔" وہ یہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے خان کی صورت دیکھنے لگی۔

"آپ نے اپنے پاپا کی روح کو کبھی قریب سے بھی دیکھا؟" خان نے مسکرا کر سوال کیا۔

"جی نہیں۔"

"خیر تو سمجھ لیجیے کہ اب وہ یہاں نہیں آئے گی۔ میرا مطلب ہے آپ کے پاپا کی روح۔"

"کیوں۔"

"ابھی صرف اسی قدر بتا سکتا ہوں۔ باقی وقت آنے پر۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔ وہ دو دن سے برابر آرہی ہے۔ وہ آج بھی ضرور آئے گی۔ آپ نہیں مانتے تو آپ خود ایک رات یہاں رہ کر دیکھ لیجیے۔" شہناز نے اصرار کیا۔

"ہاں بیٹا، خدا کے لئے اس کا کچھ علاج کرو، کسی پیر فقیر سے پوچھو۔ آخر ان کی روح کیوں بھٹک رہی ہے۔" اندر سے بیگم ارسلان کی آواز سنائی دی اور خان یہ محسوس کر کے کچھ جھینپ سا گیا کہ بیگم ارسلان بھی دروازے کے پیچھے سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

"بہتر ہے۔ میں آپ لوگوں کا وہم دور کرنے کے لئے آج کی رات یہاں موجود

رہوں گا۔" بالآخر اس نے وعدہ کرلیا۔

اس کے بعد شہناز نے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر خان کو دی اور چائے پی کر خان رات کو آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے چل دیا۔

Akram Allahabadi

ایک اور خون

پروفیسر نومان کے تعاقب میں ناکام رہنے کے بعد سارجنٹ بالے کو انجینئر داؤد کا خیال آگیا۔ اسے یقین سا ہونے لگا کہ انجینئر داؤد بھی اب تک فرار ہو گیا ہوگا۔ چنانچہ فون پر خان کو اپنی رپورٹ دے کر وہ بجائے پولیس ہیڈ کوارٹر جانے کے، کارگذاری دکھانے کے زعم میں سیدھا انجینئر داؤد کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے ایک شک یہ بھی تھا کہ ممکن ہے پروفیسر نومان انجینئر داؤد کو خبر کرنے اس طرف ہی آگیا ہو۔ مگر جس وقت وہ انجینئر داؤد کے بنگلہ پر پہنچا تو وہاں راجہ رام روڈ پولیس اسٹیشن کے انچارج سب انسپکٹر راجندر اور پولیس کانسٹیبلوں کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"ہیلو بالے۔" راجندر نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"کیا بات ہے۔" بالے نے بھولے پن سے پوچھا۔

"انجینئر داؤد قتل کر دیے گئے۔"

"قتل!" بالے اچھل پڑا۔ "کب؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھی چند منٹ قبل... ہم اطلاع ملتے ہی فوراً بھاگے ہیں۔"

"قتل کس طرح ہوا؟"

"پستول کی دو گولیوں نے ان کا کام تمام کر دیا ہے۔ ایک سینے پر پڑی ہے، ایک سر پر۔"

"ضرور اس کمینے کا کام ہے۔" بالے نے دانت پیسے۔

"کون؟" راجندر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پروفیسر نومان۔ وہ افشائے راز کے خوف سے انجینئر داؤد کو ختم کرتا ہوا فرار ہوا

ہے۔" بالے بڑبڑایا۔

"لیکن نوکروں کا بیان ہے کہ انھوں نے کسی کو بنگلے میں آتے جاتے نہیں دیکھا۔ صرف پستول چلنے کی دو آوازیں سن کر جب وہ دوڑے تو کمرے میں انجینئر داؤد کی لاش فرش پر پڑی تھی۔ اور سر و سینہ سے خون بہہ رہا تھا۔"

"داؤد کے بنگلہ میں بھی نومان کے بنگلہ کی طرح پیچھے چور دروازہ ضرور ہوگا اور وہ اسی راستے سے آیا ہوگا۔" بالے نے رائے دی۔

"چلو آؤ دیکھیں۔" راجندر یہ کہہ کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک اوسط درجے کے ڈرائنگ روم سے گذر کر جب وہ انجینئر داؤد کے کمرے میں داخل ہوئے تو انجینئر کی لاش اب تک اسی حالت میں پڑی تھی۔ بالے نے ایک بار اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور سیدھا کھڑا ہو کر راجندر سے بولا۔

"قتل سے پہلے یہ قاتل سے یقیناً فری اسٹائل میں لڑا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟" سب انسپکٹر نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"آپ دیکھتے نہیں کہ اس کے جبڑے پر ایک اچھا خاصہ گھونسہ بھی پڑا ہے۔ بیچارے کے ہونٹوں کے داہنے سرے سے خون کی دھار نکل پڑی تھی۔"

"اوہ۔ اس پر تو میں نے خیال ہی نہیں کیا تھا۔" سب انسپکٹر راجندر بھی جھک کر دیکھنے لگا۔

"اور دیکھئے قاتل اس کمرے کے راستے بھاگا ہے۔" بالے نے ایک دوسرے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ کیسے؟" راجندر نے پوچھا۔

"اندر دروازے کے قریب ایک کرسی لڑھکی ہوئی پڑی تھی۔ بالے نے قریب سے گذرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ لیکن اس کمرے میں کوئی دروازہ پیچھے کی طرف

نہیں تھا۔صرف دائیں بائیں دو دروازے تھے جو دوسرے کمروں میں کھلتے تھے۔ روشندان اس قدر بلند اور تنگ تھے کہ ان میں سے کسی کا گذر کر نکل جانا قرین قیاس نہ تھا۔ بالآخر بالے کی جستجو سے پروفیسر ارسلان کے گھر کی لائبریری کی طرح یہاں بھی ایک دروازہ الماری میں بنا مل گیا اور قاتل کے فرار کا اسرار حل گیا۔ مگر بالے کو جو چیز چبھ رہی تھی وہ پتھر کے اُلو کا وہ مجسمہ تھا جو وہ پچھلی بار انجینئر داؤد کے کمرے میں دیکھ گیا تھا۔

”کسی نے یہاں ایک پتھر کا اُلو تو نہیں دیکھا“ وہ اچھی طرح مکان کی تلاشی لینے کے بعد کانسٹبلوں سے پوچھنے لگا۔

”اُلو! پتھر کا۔“ وہ سب حیرت سے اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ اسے کوئی لطیفہ سمجھ رہے تھے۔

ان سے نفی میں جواب پا کر سارجنٹ نے انجینئر کے نوکروں سے بھی مختلف سوالات کیے۔ سب انسپکٹر کی پوچھ تاچھ میں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ پروفیسر نومان اور ارسلان صاحب سے ان کی پرانی دوستی تھی اور کبھی کبھی وہ لوگ یہاں آیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور شخص انجینئر داؤد سے ملنے آیا کرتا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ سورج ڈوبنے کے بعد ہی آیا کرتا تھا اور جب آتا تو بغیر کچھ پوچھے کہے، سیدھا انجینئر کے پاس جا بیٹھتا۔ وہ دونوں تخلیہ میں کچھ گفتگو کرتے رہتے اور اس کے بعد وہ شخص اٹھ کر اتنی تیزی سے باہر نکل جاتا کہ نوکر اسے ٹھیک سے دیکھ بھی نہ پاتے تھے۔ انجینئر نے اس کے بارے میں گھر پر بھی کچھ نہ بتایا تھا۔ انجینئر داؤد کا صرف ایک نوجوان لڑکا تھا جو لکھنؤ میں ڈاکٹری کی تربیت لے رہا تھا۔ پتھر کے اُلو کے بارے میں کوئی نہ بتا سکا کہ کیا ہوا۔ انجینئر کے خاص خدمت گار نے یہ ضرور کہا کہ وہ اکثر اس اُلو کو دیکھ دیکھ کر مسکرایا کرتے تھے۔

”شاید وہ اسے اپنا ہم جنس سمجھتا ہوگا۔“ بالے راجندر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

"ایک بار انھوں نے کہا تھا کہ یہ اُلو اڑ گیا تو میں سب کا بھیجا توڑ دوں گا اور اسی لئے ان کا کمرہ ان کی غیر موجودگی میں مقفل رہتا تھا۔" اسی خدمت گار نے بتایا۔

"اب کی بار عجیب اُلو پرستوں سے پالا پڑا ہے۔" بالے نے جھنجھلا کر پیر پٹکتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمھیں اُلوؤں سے آخر کیا دلچسپی ہے۔" سب انسپکٹر راجندر پوچھنے لگا۔

"یہ خاں صاحب بتا سکیں گے۔ انہی کو چند دنوں سے اُلوؤں کے خواب آ رہے ہیں۔ اچھا میں چلتا ہوں۔" بالے یہ کہہ کر واپس لوٹنے لگا۔

ابھی رات کے نو ہی بجے تھے کہ لیزلی روڈ پر پروفیسر ارسلان کے بنگلہ کے سامنے ایک بلمین منکس آ کر رک گئی۔ اس میں سے سپرنٹنڈنٹ خان، تنویر، سارجنٹ بالے اور ایک دوسرا باوردی مسلح سب انسپکٹر نیچے اترے۔

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ ابھی سے اس بنگلہ کے اطراف میں منتشر ہو جاؤ۔ ایک کوشش ہے، کامیاب ہو گئی تو مزہ آ جائے گا۔ ورنہ پھر..." خان کہتے کہتے رک گیا۔

"پھر؟" تنویر نے ٹوک دیا۔

"پھر ہمیں سندریا کی پہاڑیوں کے اس پار والے کھنڈروں میں جھک مارنی پڑے گی۔" خان نے جھنجھلا کر کہا۔

"آپ اکیلے اندر جا رہے ہیں۔" تنویر نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"کاش میں بھی چل سکتا۔" تنویر نے ایک سرد سانس کھینچ کر کہا۔

"میں تمھارا سر توڑ دوں گا۔"

Akram Allahabadi

''بالے تم ادھر شمالی گوشہ میں پوزیشن لو۔ تم تنویر، ادھر جنوب کی طرف۔ سامنے کے رخ پر کسی کی ضرورت نہیں۔ اور ہاں تم ساونت، تم پشت کا محاذ سنبھالو۔'' وہ چوتھے باوری پولیس سب انسپکٹر سے بولا۔

''بہت خوب۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''اس وقت تک اس پر گولی نہ چلانا جب تک کہ میں مناسب سمجھ کر سیٹی نہ بجادوں۔'' اس نے مزید ہدایت کی ''اور ساونت تمھاری پوزیشن سب سے اہم ہے۔ ویسے میرا تو خیال ہے کہ آدھی رات کو تم لوگ کسی کار کے رکنے کی آواز ضرور سنو گے۔''

''کار؟''

''ہاں۔ وہ ایسے خطرناک حالات میں پیدل تفریح نہ فرماتا ہوگا۔

''وہ کون؟'' بالے نے وضاحت چاہی۔

''کچھ دیر بعد سب معلوم ہو جائے گا۔'' خان نے بات مختصر کردی اور پھر انھیں ان کی مقررہ سمتوں میں بھیج کر خود بنگلہ کے پورٹیکو میں کار کھڑی کرتا ہوا برآمدے میں داخل ہوگیا۔ برآمدے میں ۴۵ وولٹ کا مدھم بلب روشن تھا۔ گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھتے ہی اندر کا دروازہ کھل گیا۔ بوا نے سر باہر نکال کر دیکھا۔ اور پھر ''آپ آگئے۔ آیئے آیئے۔'' کہتی ہوئی دوڑی ہوئی اندر خبر کرنے چلی گئی۔ خان ڈرائنگ روم میں صوفہ پر آبیٹھا۔ چند منٹ بعد ہی شہناز بھی آپہنچی۔ شہناز کی امی قریب والے کمرے میں تھیں۔ شہناز نے اس وقت سنہرے رنگ کا غرارہ اور جمپر کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ آسمانی سیفون کا دوپٹہ اس کے سر سے ڈھلک کر کاندھوں پر گرا ہوا تھا اور اس لباس میں وہ کوئی آسمانی حور معلوم ہو رہی تھی۔ خان کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک طرح کی سرخی دوڑ گئی۔

''کیا یہ کہنا پڑے گا کہ آپ تشریف رکھیں؟'' اس کی سریلی باریک آواز کھنکی۔

''جی نہیں۔ میں خود ہی بیٹھ جاتا ہوں۔'' خان جوابی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اور

Akram Allahabadi

وہ دونوں ایک ہی صوفہ پر تھوڑے فاصلے سے بیٹھ گئے ۔دو تین ملاقاتوں کے بعد وہ اب اس سے کافی بے تکلف ہو چکی تھی اور اس کے باوجود کہ اس کی گفتگو سنجیدگی لئے ہوئے تھی کبھی کبھی اس کے خوشگوار جملے جیسے خان کے کانوں میں رس گھول دیتے تھے۔

"آپ اکیلے ہی آئے ہیں۔" شہناز نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"جی ہاں ۔ایسا ہی سمجھئے۔" خان نے اس غیر متوقع سوال پر چونک کر جواب دیا۔

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔" اس نے اپنی خوبصورت آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر کہا۔

خان کو ایسا محسوس ہوا جیسے ان مخمور آنکھوں سے کوئی تیز شراب اس کی اپنی آنکھوں کی راہ نس نس میں تحلیل ہوئی جا رہی ہے ۔اس نے ایک عجیب سی کیفیت میں آنکھیں موند لیں۔

"شہناز.." خان اس کا بازو تھام کر بیٹھی ہوئی آواز میں چیخ اٹھا۔

"جی!" شہناز کی مدھم شرمیلی آواز سنائی دی اور پھر بوا کمرے میں گھستے گھستے یہ دیکھ کر ٹھٹھک گئی کہ وہ ایک دوسرے کے سینہ سے اس طرح پیوست تھے جیسے دو روحیں ایک دوسرے میں تحلیل ہوئی جا رہی ہوں ۔انھیں بوا کی آمد کی خبر نہ ہو سکی ۔آخر بوا کو کھانسنا پڑا۔

"چھوٹے بابا چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" بوا نے دبی آواز سے کہا اور دوسرے کمرے کے پردے کو ہٹا کر اندر جھانکنے لگی ۔بیگم ارسلان اس وقت خراٹے لے کر سو رہی تھیں۔

خان اور شہناز کے سر بوا کے سامنے شرم سے جھک گئے۔

"مجھے غلط نہ سمجھنا بوا۔" خان نے ہمت کر کے کہا۔"میری زندگی میں یہ پہلا اور آخری انقلاب ہے۔ میں شروع ہی سے دل میں ان کی پرستش کرتا تھا۔" اس نے سچ سچ بول دیا۔

"اے لو میاں ۔میں کب کچھ کہہ رہی ہوں ۔" بوا ہنس کر بولی ۔"اللہ مبارک کرے یہ جوڑی ۔میں تو بیگم صاحب کے بھی ہاتھ جوڑ لوں گی کہ بٹیا کی خوشی پوری ہو جائے ۔" بوا نے

Akram Allahabadi

کھڑے کھڑے پولسن کا ایک پیکٹ صرف کر مارا۔

شہناز نے چائے بنا کر خان کو دی اور خود بھی آدھی پیالی پی کر بوا کے ساتھ اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی گھر کا ادھیڑ عمر ملازم جواب تک برآمدے میں تھا اندر آ گیا۔

"صاحب، میں ادھر بیٹھا ہوں۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیجئے گا۔"

وہ بولا۔

"اچھا۔" یہ کہہ کر خان اٹھ کھڑا ہوا۔ زندگی میں کبھی وہ اس قدر مسرور اور کھلا ہوا نظر نہ آیا تھا جس قدر اس وقت تھا۔ کمرے سے نکل کر ٹہلتا ہوا وہ برآمدے میں آ گیا۔

"بڑے میاں۔ میں بنگلے کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔ تم یہیں رہنا اور کوئی بات ہو تو مجھے آواز دے دینا۔" یہ کہہ کر وہ برآمدے سے اتر کر باہر چلا گیا۔ تینوں ساتھی اپنی اپنی جگہ مستعد تھے۔ اس وقت بالے تو مغربی فینسنگ کی آڑ میں زمین کی ہری ہری گھاس پر نیم دراز سگریٹ پی رہا تھا۔ دور شمالی سمت سب انسپکٹر ایک متحرک سائے کی طرح ٹہل ٹہل کر باہر پچھلی سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا اور تنویر دوسری سمت تھا۔

"وقت قریب ہو رہا ہے ساڑھے ۱۲ بج چکے ہیں۔" خان نے کہا۔ "مستعد رہنا۔ میں اندر جا رہا ہوں۔" وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اندر سے اسے ایک چیخ سنائی دی۔ وہ ایک دم پلٹ کر برآمدے کی طرف دوڑ کر اندر گھس گیا۔ ڈرائنگ روم میں ملازم بھی نہیں تھا۔ اس کے پاس والے کمرے سے ہوتا ہوا وہ تیسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور شہناز اور بوا یہاں سہمی سہمی سی کھڑی کھڑکی کے شیشوں سے پروفیسر ارسلان کے کمرے کی طرف گھور رہی تھیں۔

"کیا بات ہے۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"ابھی ابھی اس کمرے میں روشنی ہوئی تھی اور پاپا کی روح..." وہ کہتے کہتے رک

Akram Allahabadi

گئی۔

"وہ کمرے میں حرکت کرتی دکھائی دی۔مگر ہماری چیخیں سنتے ہی وہاں اندھیرا ہوگیا۔"خان ان کا صرف اتنا بیان سنتے ہی دوڑ کر اس کمرے کے نزدیک پہنچ گیا۔اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔اس نے دروازے کو دیکھا وہ بند تھا۔مگر داہنے سمت کی ایک کھڑکی اسے کھلی ہوئی ملی۔وہ اس پر چڑھ کر کمرے میں اتر گیا اور ٹارچ کی روشنی کی مدد سے اس نے بجلی کا سوئچ دبا کر کمرے میں روشنی کر دی۔مگر وہاں تو کچھ بھی نہ تھا۔البتہ ایک تپائی کھڑکی کے قریب میں لڑھکی پڑی تھی۔جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کھڑکی کے راستے کود کر بھاگا ہے۔خان فوراً باہر آ گیا۔ٹھیک اسی وقت باہر کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

وہ چونک پڑا اور اس نے فوراً ہی جیب سے سیٹی نکال کر بجادی۔باہر بھاری قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔

آپ لوگ اب آرام سے جا کر سو جائیے۔میں اس کے تعاقب میں جارہا ہوں۔"

اس نے جلدی سے شہناز کے قریب رک کر کہا۔

"تو کیا آپ پاپا کی روح کو مارنا چاہتے ہیں۔"شہناز کچھ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"وہ آپ کے پاپا کی روح نہیں بلکہ ان کے بھیس میں دوسرا بدمعاش ہے۔خان نے اس کی تسلی کیلئے جواب دیا۔

"دوسرا۔"شہناز کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"یہ پھر میں کسی وقت آ کر بتاؤں گا۔مگر اب آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"یہ کہہ کر وہ اس کا جواب سنے بغیر باہر نکل گیا۔باہر تینوں ساتھی اس کی کار لئے کھڑے تھے۔

"خلاف امید وہ سامنے سے آیا تھا۔"تنویر بولا۔"اس کی کار لیز لی روڈ پر ہی مغرب کی طرف بھاگی ہے۔"

"تو چلو جلدی کرو۔ ابھی وہ زیادہ دور نہ گیا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا اور فوراً ہی کار روڑا دی۔ بالے کو بھاگ کر کار میں چڑھنا پڑا۔

لیزلی کو پار کرنے کے بعد جب ان کی کار راجہ رام روڈ پر پہنچی تو انھیں ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک دوسری برق رفتار کار دوڑتی نظر آئی۔ خان نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ لیکن اس کے برخلاف آگے جانے والی کار کی رفتار اوسط تھی۔ معلوم ہوتا تھا اسے کوئی اطمینان سے ڈرائیو کر رہا ہے۔

"کہیں ہم کسی غلط آدمی کا پیچھا تو نہیں کر رہے ہیں۔ اگلی کار تو بڑے اطمینان سے چل رہی ہے۔" تنویر نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ہوسکتا ہے کہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہو کوئی۔" خان نے کہا۔

"اتنے میں اگلی کار ایک موڑ پر گھومنے لگی۔ اس کی رفتار اور سست ہوگئی۔ خان کی کار سے اب اس کا فاصلہ بمشکل دو سو فٹ تھا کہ اس کے کٹ آؤٹ کھولے جانے کی آواز کے ساتھ سائیلنسر پائپ سے دھواں نکلنے لگا۔ یہ دھواں اس قدر مقدار میں نکل رہا تھا کہ چند سکنڈ میں سڑک پر دھوئیں کا ایک چھوٹا سا بادل نظر آنے لگا اور گاڑی اس کی اوٹ میں غائب ہوگئی۔ خان اگر اسٹیئرنگ کو اچھی طرح نہ سنبھالے رہتا تو گاڑی ضرور بہک جاتی اور پھر یا تو وہ کسی تناور درخت سے ٹکراتی یا پھر راہ سے ہٹ کر کسی گڑھے میں جا گرتی۔ آگے والی کار جانے کہاں نکل گئی اور دور تک سڑک پر دھواں بکھرا رہا۔ مجبوراً انھیں اپنی کار روکنی پڑی۔ وہ صاف بچ کر نکل گیا اور یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کون تھا اور کدھر گیا ہے۔

اس کے تعاقب میں ناکام ہو کر جب یہ لوگ واپس لوٹے تو تقریباً ۲ بجے تھے۔ خان نے کار سیدھی اپنے گھر کی طرف بھرپور رفتار پر چھوڑ دی اور سردی کی شدت سے بالے اور

Akram Allahabadi

تنویر جھرجھریاں لینے لگے۔

پروفیسر ارسلان کی لائبریری میں ملنے والے اُلّو کے کاغذی خاکے پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات اور پروفیسر نومان کی الماری پر پائے گئے انگلیوں کے نشانات کے فنگر پرنٹس آگئے تھے۔انجینئر داؤد کے فنگر پرنٹس سارجنٹ بالے احتیاطاً پوسٹ مارٹم سے پہلے حاصل کر چکا تھا۔

صبح نو بجے ہی تنویر اور بالے دونوں آپہنچے تھے۔

"تمھیں کس احمق نے بلوایا ہے۔" خان نے چونک کر بالے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ..." بالے نے بہانہ بنانا چاہا۔

"خیر، اب زیادہ صفائی کی ضرورت نہیں۔اور اچھا ہوا کہ تنویر جو تم آگئے۔آؤ ذرا فنگر پرنٹس دیکھ ڈالیں۔" یہ کہہ کر خان وہاں سے اٹھ کر اپنے ریڈنگ روم میں چلا آیا۔وہ دونوں بھی خان کے پیچھے ریڈنگ روم میں داخل ہو گئے۔اس وقت تک خان فنگر پرنٹس نکال کر میز پر رکھ چکا تھا۔وہ انھیں غور سے دیکھنے لگے۔

"تعجب ہے۔" خان بولا۔"یہ پرنٹس یقیناً ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُلّو کے خاکے والے پرنٹ پر جو انگلیوں کے نشانات ہیں وہ نومان اور مقتول انجینئر میں سے کسی کے نہیں۔" بالے نے کہا۔

"قطعی۔" خان نے اپنے یقین کا اظہار کیا۔

"تو پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟" بالے نے حیرت سے سوال کیا۔

"کوئی ایسی پُراسرار شخصیت جو بہت چالاک اور نڈر ہے اور جس کے بارے میں ہم

Akram Allahabadi

کوئی رائے بھی قائم نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق ان دونوں کے خون سے ہو یا نہ بھی ہو لیکن ارسلان کی تجوری سے نکلے ہوئے ان دستاویز کے ٹکڑوں سے ضرور ہے۔'' خان نے بتایا۔ ''بلکہ مجھے تو شک ہے کہ محض ان ہی دستاویز کے ٹکڑوں سے متعلق کسی راز کے سلسلے میں یہ وارداتیں ظہور میں آئی ہیں۔'' اس نے آگے کہا۔

''آپ نے ان دستاویزی ٹکڑوں کو رکھا کہاں ہے۔ ایسا تو نہیں کہ وہ آپ کے پاس سے بھی غائب کر دیئے جائیں۔'' تنویر کچھ عجیب سے خشک لہجہ میں بولا۔ خان کو اس کے انداز پر کسی قدر احساس ضرور ہوا لیکن وہ سمجھا بالے کی وجہ سے جھنجھلایا ہوا ہوگا۔

''نہیں۔ میں نے انھیں اپنی گوڈرج کی الماری میں مقفل کر دیا ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر لاپرواہی سے بولا۔ یہ جواب پا کر تنویر غور سے اندر کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہوئی گوڈرج کی الماری کو دیکھنے لگا۔

''پھر اب پروگرام کیا ہے۔'' بالے نے پوچھا۔

''کل ہم تندیرا کے جنگل میں شکار کے لئے چل رہے ہیں۔'' خان نے جواب دیا۔

''بھئی خدا آپ کو اور توفیق دے۔ کیا عمدہ بات کہی ہے۔'' بالے بول پڑا۔ ''اس دن تو شکار کا مزا ہی کرکرا ہو گیا تھا۔''

''لیکن ہم اُلوؤں کا شکار کریں گے صرف۔ خان نے جواب دیا۔

''اُلوؤں کا؟'' تنویر حیرت سے بولا۔

''اور نہیں تو کیا تمھارا۔''

''اپنا استعفیٰ ہے اس پروگرام سے۔ مابدولت کو اُلوؤں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''لیکن اُلوؤں کو ضرور تم سے دلچسپی ہے۔'' خان نے مسکرا کر کہا۔

''دیکھا جائے گا۔''

''ہمیں اپنے کو کافی تبدیل کر کے چلنا ہوگا۔ سارا پروگرام میں شام کو سمجھا دوں گا۔

Akram Allahabadi

ہم یہاں سے صبح ساڑھے چار بجے یا پانچ بجے روانہ ہو جائیں گے۔اور آج کی رات تم لوگ یہیں گزارو گے۔سب انسپکٹر راجندر بھی ہمارے ساتھ چلے گا۔

"راجندر۔"

"ہاں میں نے اسے بلوایا ہے۔"

"خیر شام کی شام کو دیکھی جائے گی۔اس وقت تو ہمیں چھٹی دیجئے۔میں دو دن سے آفس بھی نہیں گیا ہوں اور آپ کی وجہ سے اب تک میں نے اس سلسلے کی تمام رپورٹیں دبا رکھی ہیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔تم اس نامعلوم قاتل کے ارادوں کے مطابق ہی رپورٹ دیتے جاؤ۔اس سے ہمیں فائدہ ہی ہوگا۔

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ نومان نے ہی پروفیسر ارسلان اور انجینئر داؤد کا خون کیا ہے اور پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔" خان نے کہا۔

"تو کیا آپ کے خیال میں نومان ان کا قاتل نہیں۔"

"حالات تو اسے ہی قاتل ثابت کر رہے ہیں لیکن مجھے تھوڑا سا شک ہے۔آخری رائے میں نندیرا کے کھنڈرات کو دیکھنے کے بعد دے سکوں گا۔"

"اس شک کی وجہ؟"

"محض ایک خیال کہ ہماری تمامتر توجہ نومان کی طرف مبذول رکھنے کے لئے ممکن ہے کسی نے حالات سے فائدہ اٹھایا ہو۔بہت ممکن ہے کہ اس سے پہلے کہ نومان انجینئر داؤد تک پہنچے انجینئر کو ختم کر دیا گیا ہو۔"

"اپنی سمجھ میں نہیں آئی یہ بات۔"

"تمھارے سمجھنے کی بات بھی نہیں۔"

Akram Allahabadi

"لیکن وہ پتھر کا اُلو جو غائب ہے وہاں سے۔"

"ضرور اس مجسمہ کا تعلق ان دستاویزی ٹکڑوں اور نندیرا کے کھنڈرات سے رہا ہوگا۔ کیونکہ پروفیسر ارسلان اور انجینئر داؤد دونوں ان ہی کھنڈروں میں آثار قدیمہ کے ریسرچ کا کام کر رہے تھے۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مسٹر شکلا نے مجھے بتایا تھا کہ ارسلان نندیرا کے کھنڈروں میں عرصہ سے تحقیقاتی کام کر رہے تھے اور ابھی تک انھوں نے کوئی باقاعدہ رپورٹ تیار نہیں کی تھی۔ انجینئر داؤد کو محکمہ آثار قدیمہ نے ان کھنڈرات کے دبے ہوئے آثار کی کھدائی اور اس برباد شہر یا تاریخی قصبے کی سابقہ حیثیت و مدت تعمیر کی تحقیق کے لئے اپنی طرف سے مقرر کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ نندیرا کی پہاڑیوں کے اس پار کے یہ کھنڈرات پرم پور کے ہی آثار ہیں۔ وہ دستاویزی ٹکڑے جو مجھے ملے ہیں ضرور ان ہی کھنڈروں میں کہیں سے برآمد ہوئے ہیں اور ان کا باقی حصہ یا جسے یا تو نومان کے ہاتھوں لگے ہوں یا انجینئر کے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ کسی اتفاق سے نومان کے ہاتھ ہی لگ گئے ہوں گے۔ ورنہ نومان کا آثار قدیمہ یا ان کھنڈرات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔" خان نے بتایا۔

"ہو کیوں نہیں سکتا۔ وہ ماہر تحقیق حیوانات ہے۔ اس لئے ان قدیم تاریخی کھنڈروں کے اطراف میں قدیم تاریخی جانوروں کی نسلوں کے وجود کا خیال اسے وہاں لے گیا ہوگا۔" تنویر نے بتایا۔

"قرین قیاس تو ہے۔" خان نے مختصراً کہا۔

"تو پھر کاغذ اس کے ہاتھ اور وہ پتھر کا اُلو انجینئر داؤد کے ہاتھ لگے ہوں گے اور اس اُلو کا کلیدی تعلق اس خزانے یا اس پوشیدہ راز سے ہوگا، اس لئے اسے حاصل کرنے کے لئے اور اس راز کو محفوظ رکھنے کے لئے نومان نے داؤد کو ختم کر دیا ہوگا۔" بالے نے رائے دی۔

"بات تو کچھ آدمیوں جیسی کر رہے ہو، لیکن تم اس چوتھی پراسرار شخصیت کو بھول گئے جو ارسلان کی لائبریری میں سگریٹ کا ٹکڑا اور اُلو کا خاکہ چھوڑ گئی تھی اور جو ارسلان کے لباس

Akram Allahabadi

میں ارسلان کے کمرے کی تجوری سے تاریخی دستاویز کے ٹکڑے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے انجینئر داؤد سے وہ اُلو کا مجسمہ حاصل کرنے کے لئے انجینئر کو قتل کیا ہو۔ اس نے ارسلان سے وہ کاغذات حاصل کرنے کے لئے ارسلان کو جنگل میں ہی ختم کر دیا ہو اور یہ سب کچھ وہ اس طریقے سے کر رہا ہو کہ ہمارے تمام شبہات پروفیسر نومان ہی پر مرکوز ہو جائیں۔"

"مگر وہ ریڈ اینڈ وہائٹ سگریٹ؟" بالے نے سوال کیا۔

"خدا تمھارے بھیجے میں عقل دے۔ کیا وہ سگریٹ دوسروں کے لئے ممنوع ہے۔ کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔" خان نے اسے جھاڑ سنائی۔

"اس طرح تو وہ آپ سے بھی ان دستاویزی ٹکڑوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔" تنویر بولا۔

"احتمال تو ہے اس بات کا لیکن وہ اتنی آسانی سے ہم تک پہنچنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہاں ممکن ہے کوئی اور طریقہ استعمال کرے۔"

"مجھے تو ایسی دلچسپ اور پراسرار شخصیت سے مل کر بہت بڑی خوشی ہو گی۔" بالے نے بکواس شروع کی۔

"اور یہ خوشی اس وقت دوبالا ہو جائے گی جب وہ آپ کو بھی ارسلان کے پاس پہنچا دے گا۔" خان جل کر بولا۔

"ممکن ہے کہ میں ہی یہ فرض اس کے لئے انجام دے دوں۔" بالے نے جواب دیا۔

"اچھا، اب دماغ مت چاٹو۔ جاؤ تیاری کرو۔ اور ہاں تنویر تم اخبار میں نومان کو انجینئر داؤد کے قتل کا مورد الزام ٹھہراتے ہوئے اس 'پتھر کے اُلو' کا قطعی ذکر نہ کرنا، بلکہ سردست ارسلان کی لائبریری اور اس کی روح کے واہمہ کا تذکرہ بھی گول رکھو۔ شام تک اپنی

رپورٹ وغیرہ دے کر تمھیں یہاں آجانا چاہئے۔" خان نے تنویر کو ہدایت کی۔

"کوشش کروں گا اگر آسکا۔"

"تمھارے فرشتے بھی آئیں گے۔"

پو پھٹ رہی تھی جب تنویر کی بندوق کی ایک گولی سے انھوں نے ایک ہرن مار گرایا۔ شکار پر جھپٹنے والوں میں بالے سب سے آگے تھا۔ وہ لوگ نندیرا کے جنگل میں صبح ہونے سے نصف گھنٹہ پیشتر پہنچ گئے تھے اور یہ اتفاق تھا کہ پہاڑ پر واقع پانی کے ایک قدرتی گڑھے میں منہ اندھیرے پانی پینے کے لئے آئی ہوئی ہرنوں کی ایک چھوٹی سی ٹولی ان کے سامنے پڑ گئی۔ جس پر بالے، خان اور تنویر کا اپنی اپنی جگہ سے بیک وقت نشانہ کامیاب رہا۔ راجندر راجپوت ہوتے ہوئے خود بھی شکار کا پرانا شوقین تھا لیکن آج کی یہ تفریح تو ایک بڑے اور پراسرار کام کے لئے ایک بہانہ تھی۔ ان چار شکاریوں کے لئے ایک ہرن ویسے بھی ناشتہ سے زیادہ تھا۔

بالے اور سب انسپکٹر راجندر کی ڈیوٹی ہرن کو بگی پر لاد کر پہاڑیوں کے اس پار کھنڈرات سے تقریباً ایک میل دور کی پہاڑیوں کی بستی تک لے چلنے پر لگائی گئی۔ پہلے تو بالے نے بہت سر پٹکا لیکن اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔

اپنی شکلوں کو مختلف میک اپ میں تبدیل کئے شکاریوں کے لباس میں وہ چاروں پہاڑ کی دوسری سمت کے آثار عبور کرنے لگے۔ پہاڑیوں کی چھوٹی سی بستی نیچے پہاڑ کے دامن میں بلند اور گھنے درختوں کے درمیان اوپر سے ہی نظر آ رہی تھی اور اس سے تقریباً میل بھر دور اس برباد شہر کے کھنڈرات بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی عمارت مسلّم نہ تھی۔ تمام آثار منہدم ہو چکے تھے۔ البتہ وہ دور سے ہی کئی کئی ٹکڑوں میں بٹے نظر آتے تھے۔ حد نظر تک ماحول

پر بھیانک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ نیچے آبادی پر اکا دکا چیلیں اور گدھ منڈلا رہے تھے۔ یہیں ایک بڑی چٹان کی آڑ میں جس پر جنگلی درختوں کی گھنی اور جھکی ہوئی شاخوں نے سایہ کر رکھا تھا ان لوگوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ بالے اسی وقت اسٹوپر چائے تیار کرنے بیٹھ گیا۔ اور خان تنویر کا میک اپ تبدیل کرنے لگا۔ وہ اسے سندیرا کی پہاڑیوں کے اس پار والے گاؤں کے ایک گڈریے کے بھیس میں تبدیل کر رہا تھا۔ پلان کے مطابق وہ تمام چیزیں ساتھ لائے تھے۔ میک اپ میں بیچارے تنویر کے چہرے کی کھال چھل چھل گئی۔

"آپ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں، کوئی خوبصورت لڑکی میری طرف نظر بھر کر دیکھنا بھی پسند نہ کرے گی۔" وہ بولا۔

"گھبراؤ نہیں میرے شہزادے، دوسرے میک اپ میں تمھیں گلفام کا باپ بنا دوں گا تاکہ تمھیں دیکھ دیکھ کر چڑیلیں رال ٹپکاتی چلیں۔" خان نے اس کے چہرے کے نقوش کو تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

"کتنا اچھا ہوتا جو آپ اس نیک کام کے لئے اس باورچی کو منتخب کرتے۔" تنویر کسی قدر بلند آواز میں سارجنٹ بالے کی طرف ایک نظر ڈال کر خان سے بولا۔ بالے کے کان کھڑے ہو گئے۔

"جناب، میں استعفیٰ دیتا ہوں اس باورچی شپ سے۔ میں کسی جرنلسٹ کے خاندانی ورثے کو اپنانا نہیں چاہتا۔" بالے نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب چپ بیٹھو مردود۔ یہ تمھاری سسرال نہیں۔ ان جانے لوگوں کی بستی کے قریب ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔" خان نے سنجیدگی سے اسے جھاڑ سنائی۔

"آپ اس طرح اس کی طرف داری کرنے لگتے ہیں جیسے یہ آپ کا اکلوتا..."

"دوست۔" راجندر نے بیچ میں لقمہ دے دیا۔

"ہاں دوست ہے۔" بالے نے خود ہی بات گھما دی اور خان کا ہاتھ بلند ہوتے

Akram Allahabadi

ہوتے رہ گیا۔

تنویر میک اپ مکمل کرانے کے بعد پوری طرح ایک پہاڑی گڈریا معلوم ہونے لگا۔اسے چور بازار سے خریدی ہوئی پرانی گاڑھے کی دھوتی اور موٹے لٹھے کی بنڈی پہنائی گئی تھی،جس سے اسے بری طرح کراہت محسوس ہو رہی تھی۔مگر وہ خود بھی مہمات کا دلدادہ تھا اس لئے تیار ہو گیا۔خان نے کچھ دور زمین پر پڑی ہوئی کسی درخت کی ایک خشک ڈال سے ایک تین چار فٹ لمبی پتلی شاخ توڑ کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"میرا خیال ہے کہ تم ٹوٹی پھوٹی پہاڑی زبان تو جانتے ہی ہو گے۔باقی خود سمجھ لینا۔اور ہاں،تمھاری ایک بھیڑ پہاڑ سے اس طرف آکر گم ہو گئی ہے۔تم اس کی تلاش میں نکلے ہو۔یاد رہے نا؟"خان مسکرایا۔

"یاد تو ہے۔مگر میری بھیڑ تو اسٹو پر چائے بنا رہی ہے۔"تنویر دبے لہجہ میں بولا۔

"کیا فرمایا آپ نے۔"بالے چونک پڑا۔

"یہ کہہ رہے ہیں کہ بالے کے ہاتھ کی چائے پی کر جاؤں گا۔"خان نے خود ہی تنویر کی طرف سے جواب دے دیا۔

"چہ خوش۔درد سہیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں۔"بالے کے منھ سے نکل گیا۔

"بی فاختہ،انڈے۔"تنویر کا قہقہہ چھوٹ گیا۔راجندر اور خان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔بالے بری طرح جھینپ کر جھنجھلا گیا۔وہ اسٹو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"جس کا جی چاہے بنائے اور پیے۔"

"چچ چچ،روٹھ گیا بیچارہ۔"راجندر نے پیچھے سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور جب تک بالے نے دو چار خوشامدیں نہ کرالیں اس نے اپنا موڈ نہیں بدلا۔

تنویر چائے پینے کے بعد"ہوہو۔ڈھرر۔ڈھرڑ"جیسی گڈریوں کی آوازیں لگاتا

Akram Allahabadi

ہوا نشیب میں بستی کی طرف چل دیا۔خان جیب سے ان دستاویزی ٹکڑوں کے ترجمہ کو نکال کر غور سے دیکھنے لگا۔اس کے ہاتھ میں وہ بے ترتیب سا خاکہ تھا جو اسے ارسلان کی لائبریری سے ملا تھا۔بالے اور راجندر دوسری طرف بیٹھے آپس میں نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کئے ڈال رہے تھے۔کبھی ان کی گفتگو کپڑے کی چور بازاری پر پہنچ جاتی جہاں پر راجندر اپنی بیوی کے لئے اچھی ساڑیاں نہ ملنے کا رونا رونے لگتا،کبھی چاکلیٹ میں گڑ اور گھی میں مونگ پھلی کا تیل ملائے جانے کے فارمولے پر بحث کرنے لگتے۔بالے کے خیال میں دنیا کی ۹۹ فیصد آبادی پیدائشی بیوقوف واقع ہوئی تھی۔وہ کہہ رہا تھا کہ اس وبال جان پولیس کی نوکری کو طلاق دے کر وہ بڑے بازار میں سانڈے کے تیل کا مجمع لگائے گا اور راجندر کا پلان تھا کہ پولیس کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد چور بازار سے پرانے کپڑے خرید کر بیچنے کے بھاؤ بیچا کرے گا۔اس وقت دونوں فضول گوئی کے موڈ میں تھے۔ان کی کھسر پھسر سن کر خان سے نہ رہا گیا تو اس نے انھیں بری طرح ڈانٹ دیا اور وہ بالآخر خاموش ہو کر وہیں چٹان کی جڑ میں لیٹ گئے۔

تنویر کو گئے ہوئے کئی گھنٹے گذر گئے یہاں تک کہ چار اور پھر پانچ بج گئے۔سورج کے مغرب کی طرف ڈھلتے ڈھلتے دھوپ کی تمازت میں کمی آچکی تھی۔ویسے بھی اس پہاڑی علاقہ میں کھلی فضا ہونے کی وجہ سے ہوا ہر وقت تیز چلتی رہتی۔اس لئے انھیں گرمی کی شدت محسوس نہ ہوئی تھی۔خان نے چٹان کی آڑ سے سر نکال کر دیکھا کوئی پہاڑی گڈریا ایک دیہاتی گیت بھونڈی سی لے میں گاتا ہوا ان سے کافی دور ڈھلوان کے راستے پر گذر رہا تھا۔اس کے آگے آگے بہت سی بکریوں کا گلہ تھا جن میں کچھ تندرست اور بڑے بالوں کی بھیڑیں بھی شامل تھیں۔خان کو اب گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔بالے اور راجندر بھی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور چُپ چُپ سے تھے۔

Akram Allahabadi

"بالے نہ جانے تنویر پر کیا گذری؟ تم بستی میں جا کر معلوم کرو۔" وہ بالے سے بولا۔ بالے کو پہلے ہی سے یہاں چوروں کی طرح چھپے بیٹھے بیٹھے بوریت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تیار ہو گیا۔

"کیا اسی بھیس میں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں اور بندوق بدست۔ تم پانی کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے وہاں پہنچ جاؤ۔" خان نے رائے دی۔

"بہت اچھا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی شکاری ۴۰۔۳۲ والی بندوق سنبھالی اور رومال سے منھ پونچھتے ہوئے چلنے لگا۔

"ٹھہرو... وہ آ گئے تنویر۔" راجندر جیب سے دوربین نکال کر نشیب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

بالے بھی ٹھہر کر دیکھنے لگا۔ ہاتھ کی سوکھی لکڑی ٹیکتا ہوا ایک گڈریا اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ تنویر ہی تھا۔

"ہاں وہی ہے۔" خان نے کہا۔ اور بالے جھنجھلا کر پھر بیٹھ گیا۔

"اچھی مصیبت میں ڈالا ہے آپ نے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ اتنی بوریت ہو گی تو میں سوئمنگ پول میں کود کر خودکشی کر لیتا وہ بندوق ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔

"واپسی پر کر لینا۔" خان نے جواب دیا۔ تمھاری عصمت مآبی کے چرچے دور دور تک پھیل جائیں گے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ یہ بھی کوئی مذاق ہے۔" وہ بگڑ گیا۔

"ابے اُلّو کی دم۔ یہ پولیس کی نوکری ہے۔ اس کی ذمہ داریاں کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ ناکوں چنے چبانے پڑتے ہیں۔" خان نے گھاس کے تنکے سے زمین کریدتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

"میں جانتا ہوں کہ آپ ناک سے بہت کچھ چبا لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر بالے نے دوسری طرف منھ پھیر لیا اور خان کچھ کہتے کہتے رہ گیا۔

تنویر چڑھائی پر کوشش کے باوجود زیادہ تیز نہیں چل سکا تھا اور پھر وہ کافی محتاط بھی نظر آ رہا تھا۔ ہر دو قدم پر وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا لیتا۔ چٹان کے قریب پہنچ کر اس نے پھر ایک بار چاروں طرف نظر دوڑائی۔ لیکن اس سے پہلے ہی خان نے پیچھے سے اس کا بازو تھام کر اندر کی طرف کھینچ لیا۔

"پولیس... پولیس... چور... ڈاکو۔" وہ مصنوعی دبی چیخیں لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

"چپ رہو کیا بیہودگی ہے۔" خان نے اسے ڈانٹا۔

"بہت دیر کر دی تم نے آنے میں۔" خان نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بڑی دلچسپ روایات ہیں اس بستی کے بارے میں اس لئے میں ان کی پوری طرح چھان بین کر رہا تھا۔"

"تو پھر شروع ہو جایئے۔" سارجنٹ بالے بھی بیچ میں ٹپک پڑا۔

"وہاں تقریباً ساٹھ ستر گھر ہیں۔ مقام بہت پر فضا ہے۔ یہ جنگلی پہاڑی ٹوٹی پھوٹی شہری زبان ملا کر اپنی زبان بولتے ہیں اور ایک خاص بات یہ کہ سارے اُلو کی پوجا کرتے ہیں۔" تنویر نے بتایا۔

"اُلو کی۔" راجندر قلقاری مار کر ہنسا۔

"ہاں میں نے ان کی معبد گاہ دیکھی ہے۔ وہ ایک تقریباً سو گز لمبا چوڑا میدان ہے جس میں ایک چبوترے پر ایک موت کی سی بھیانک شکل کی کبڑی عورت بیٹھی ہے اور اس کے سر پر اُلو بیٹھا ہے۔ یہ جنگلی اسے زندہ جانوروں کے خون کی بھینٹ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کبھی کبھی سیاہ موت کی شکل میں یہ اُلو نمودار ہو کر انھیں درشن بھی دیتا ہے۔" تنویر نے تفصیل

Akram Allahabadi

بتائی۔

"عجیب احمق ہیں۔"

"احمق نہ ہوتے تو اُلو کو پوجتے؟"

"ان میں روایت مشہور ہے کہ یہاں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا جسے ایک اُلو نے تباہ کردیا۔ وہ اُلو کی نحوست سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ اس کا نام لینے سے پہلے اپنے کان کی لو تھام لیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اُلو تباہی کے دیوتا کا روپ ہوتا ہے اور اسی لئے اسے طرح طرح کی پوجا پاٹ اور بھینٹ سے خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی بستی میں اس کی منحوسیت تباہی نہ پھیلائے۔ ان جنگلیوں کی گیارہ نسلیں اسی بستی میں گذر چکی ہیں اور ان میں ان کے بزرگوں سے ہدایت چلی آتی ہے کہ اُلو دیوتا ہوتا ہے اسے خوش رکھو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ہر نسل کے ساتھ ان کا یہ منحوس دیوتا بھی جنم لیتا رہتا ہے۔ ایک اور بڑی دلچسپ روایت یہ مشہور ہے کہ چاند راتوں میں ان کھنڈرات میں کبھی کبھی وہ تمام گیارہ اُلو دیوتا جمع ہوتے ہیں۔ اس دن اس بستی کا کوئی آدمی بستی سے باہر خوف کی وجہ سے نہیں نکلتا۔ صرف ان کا کاہن اس دن ان دیوتاؤں کی خدمت میں نذرانہ لے کر جاتا ہے۔" اتنا کہہ کر تنویر سگریٹ سلگانے لگا۔

"کیا ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے۔"

"نہیں، ان میں سے ایک جنگلی نے، جو شہری زبان کچھ اچھی بول لیتا ہے، فخریہ انداز میں مجھے بتایا تھا کہ کئی مہینے پہلے ایک دن جب ایک اجنبی مسافر ان کے اُلو دیوتا کا پتھر کا مجسمہ چراتے ہوئے پکڑا گیا تھا تو اسی رات کی پوجا میں خود سب سے بڑے اُلو نے انھیں درشن دیے تھے اور کاہن نے پیشین گوئی کردی تھی کہ آج نحوست کا دیوتا گیارہوں اُلو سب پر ظاہر ہوگا۔"

"گیارہواں کیسے؟" بالے نے پوچھا۔

"وہ یہ کہتے ہیں کہ دیوتا اپنے ہر نئے جنم میں ان پر زیادہ سے زیادہ مہربان ہوتا جاتا

ہے۔ یہاں تک کہ ان کے عقیدے کے مطابق اب بیماریاں بھی ان کی بستی کا رخ نہیں کرتی ہیں اور کیونکہ ان کی ہر پچھلی نسل اپنے دور کا ایک دیوتا پوجتی آئی ہے، اس طرح وہ گیارہواں اُلو ہے۔" تنویر نے بات ختم کی۔

"بھئی بہت خوب۔ تم تو بہت سی کام کی باتیں معلوم کر آئے۔" خان نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

"صرف اس قدر نہیں قبلہ وکعبہ، آج رات کو ان کا پھر ایک بڑی پوجا کا جشن ہے۔ چند ہفتے پہلے کسی نامعلوم شخص نے ان کے دیوتا یعنی اُلو کا مجسمہ جو موت کے مجسمہ کے سر پر بیٹھتا ہے غائب کر دیا تھا۔ آج وہ آدمی ان کھنڈروں میں گھومتا پایا گیا ہے اور وہ پتھر کا اُلو اس کے پاس سے برآمد ہو گیا ہے، چنانچہ آج رات اسے دیوتا کے سامنے پیش کر کے سزا دی جائے گی۔ کاہن نے پیش گوئی کی ہے کہ آج پھر نحوست کا دیوتا اپنے گیارھویں روپ میں نمودار ہوگا اور وہ خود اس گنہگار کا فیصلہ کرے گا۔" تنویر نے کہا۔

"تب تو ہم بڑے اچھے موقع سے آئے ہیں۔" خان بولا اور سب کی توجہ اس کی طرف منعطف ہو گئی۔

"یقیناً مجسمہ کا پہلا چور رہا ہوگا انجینئر داؤد اور جو پکڑا گیا ہے وہ پروفیسر نومان ہونا چاہئے۔" خان نے بتایا۔

"اور وہ گیارہوں اُلو۔"

"وہ واقعی کوئی پراسرار وجود ہے۔ میرے خیال میں وہ یقیناً وہی نامعلوم شخصیت ہوگی جس کے فنگر پرنٹس کی شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔" خان کہنے لگا۔ "اور ضرور وہ کاہن بھی اس کا گرگا ہے یا پھر اس کے اشاروں پر کام کر رہا ہے۔"

"لیکن یہ قبائلی تو پہلے سے ہی اُلو کی پرستش کرتے آئے ہیں۔" بالے نے پوچھا۔

"یقیناً ان جنگلی قبائلیوں کا سلسلہ راجہ پرم پور کے دور سے یا اس کے قریبی جانشینوں

Akram Allahabadi

کے دور سے ملتا ہو گا اور کیونکہ پرانے زمانہ کی جاہل رعایا اپنے راجہ کو "دیوتا سمان" سمجھتی تھی اس لئے یقیناً راجہ پرم پور جو شاہی اُلو کے نام سے مشہو تھا یا اس کی خصوصیت سے منسلک اُلو کا وجود ان لوگوں کے لئے باعث احترام بن گیا ہو گا اور کیونکہ ان کے بزرگوں نے سنجیدگی سے یہ تذکرے اپنی پیڑھیوں میں منتقل کیے ہوں گے اس لئے رفتہ رفتہ ان جنگلیوں کے لئے یہ اعتقاد بن گیا اور وہ اُلو پوجنے لگے۔ اس اعتقاد کے بعد ان میں طرح طرح کی دوسری مفروضہ روایات اور واہمے بھی شامل ہو گئے ہوں گے جن سے حقائق کی نوعیت کچھ کی کچھ ہو گئی۔ ان دستاویزی ٹکڑوں سے ان روایات کی اصلی شکل واضح ہو جاتی ہے اور کاش وہ مکمل ہوتیں تو اس نامعلوم خزانے کے راز پر بھی روشنی پڑ سکتی جس کی تلاش میں ارسلان، نومان اور انجینئر داؤد جیسے معزز افراد کو غیر مہذب اور غیر قانونی طریق کار اختیار کرنا پڑا۔"

"تو یہ بات ہے؟" بالے نے سر کو اس طرح جھٹکا جیسے اب کہیں ساری باتیں اس کی سمجھ میں آئی ہیں۔

"شکر ہے اسے عقل تو آئی۔" تنویر نے بغل سے منہ چبا کر کہا۔

"ابے او جرنلسٹ، کوئی بہت بڑا تیر نہیں مارا ہے تو نے جو اکڑ دکھاتا ہے۔" بالے کے لہجہ میں پھر لڑائی کا موڈ جھلکنے لگا۔

"یہ بچوں جیسی حرکتیں چھوڑو۔ ہم خطرناک لوگوں کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ دماغ صحیح رکھ کر کام کرنا ہو گا۔" خان نے انھیں ڈانٹ دیا۔

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔" راجندر نے دریافت کیا۔

"ہم میں سے ایک زخمی ہو جائے گا اور ایک آدھا پاگل۔" یہ کہتے کہتے خان نے سرگوشی کی حد تک آواز دھیمی کر دی اور وہ بڑے غور سے اس کی تجویز کو سنتے رہے۔ ان کے چہروں کی مسکراہٹیں سکڑ اور پھیل رہی تھیں۔

Akram Allahabadi

تندیرا کی پہاڑیوں کے اس پار گھاٹیوں کے ادھ گھنے جنگل اور پہاڑی غار دور بجتے ہوئے ڈرم کی مدھم مدھم آواز سے رات کے اندھیرے میں گونجنے لگے۔ رات کے بھیانک سناٹے میں نقاروں کی یہ بھیانک آواز ایک ارتعاش سا پیدا کر رہی تھی، جیسے کہیں موت کا قافلہ رواں دواں ہو۔

وہ بتدریج دور کے مدھم چراغوں کے ساتھ ٹمٹماتی ہوئی آبادی کے نزدیک ہوتے جا رہے تھے اور نقاروں کی گونج ان کے ہر بڑھتے قدم کے ساتھ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اتنے قریب پہنچ گئے کہ جھونپڑیوں کے سائے انھیں بڑے اور نمایاں نظر آنے لگے۔ چراغوں کی ٹمٹماہٹ قریب سے مشعلوں کے روشن شعلوں میں بدل گئی اور نقاروں کی آواز اتنی تیز ہو گئی کہ ہر چوب کے ساتھ ان کے دلوں پر ایک ضرب سی لگتی۔

جھونپڑیوں سے اس طرف ایک وسیع میدان تھا، جس کے اطراف میں گھنے درختوں کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔ میدان میں مشعلوں کا ایک ہالہ گردش کر رہا تھا۔ جنگلی قبائلیوں کی ایک مشعل بردار لمبی قطار دائرے کی شکل میں ہو کر ایک بے ترتیب سے وحشیانہ رقص میں مست ہو رہی تھی۔ مغربی سمت میں ایک بڑا سا چبوترہ تھا جس کے نیچے دو چٹانیں رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک پر ان جنگلیوں کا کاہن اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اس چبوترے کی طرف رخ کیے کھڑا تھا جس پر ایک تقریباً پندرہ فٹ اونچا خوفناک موت کا مجسمہ نصب تھا۔ اس مجسمہ کے سر پر ایک اُلّو بیٹھا تھا جو بالکل اس طرح تراشا گیا تھا کہ اگر اس کی جسامت بڑی نہ ہوتی تو دور سے بالکل چھوٹا سا کوا معلوم ہوتا۔ اس اُلّو کی آنکھیں رات میں چمک رہی تھیں اور اس کے باوجود کہ وہ چھوٹی چھوٹی تھیں ان کو دیکھ کر ایک خوفناک تصور دیکھنے والے پر مسلط ہو جاتا تھا۔

ناچنے والوں کے شور کے سوا اس میدان میں چاروں طرف بیٹھے ہوئے

سینکڑوں جنگلیوں کی تعداد بالکل خاموش بیٹھی کبھی ناچنے والوں کو اور کبھی اس دیوتا کو تک رہی تھی۔اتنے میں ان کی آوازیں درہم برہم ہونے لگیں اور ایک شور سا مچ گیا۔

ہنان بردار جنگلیوں کا ایک جتھا چار افراد کو اپنے گھیرے میں لئے آ رہا تھا۔وہ چاروں لباس سے شکاری معلوم ہوتے تھے۔ان میں سے سب سے آگے چلنے والا عجیب عجیب شکلیں بنا کر بڑبڑا رہا تھا۔پیچھے دو ساتھیوں نے ایک تیسرے ساتھی کو بازوؤں سے تھام کر لٹکا رکھا تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔اس کے پیر پر رومال سے کسے ہوئے تھے اور چہرے پر شدید اذیت محسوس ہونے کے آثار تھے۔وہ بار بار جھٹکے سے کراہ اٹھتا۔ جنگلیوں نے ان کو کاہن کی چٹان کے نزدیک لا کر چھوڑ دیا۔کاہن چونک کر پلٹا اور اس نے کچھ عجیب سی خوفناک نظروں سے انھیں دیکھنا شروع کیا۔اس کے زرد سے بوڑھے چہرے پر پڑی ہوئی جھریوں نے اس کے چہرے کو کسی قدر خوفناک بنا دیا تھا۔اس کی آنکھیں چمکیلی اور ڈراؤنی تھیں۔ان سے شیطنیت برستی تھی۔دراز قد اور اکہرے بدن پر اس نے ایک جھول دار عبا کی قسم کا زرد کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔

"کون ہو تم لوگ؟" وہ ان میں سے سب سے آگے والے سے بولا۔

"ہم کون ہیں؟ یعنی کہ تم نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں۔شہر میں تو ہمیں سب جانتے ہیں۔" آگے والا بڑبڑانے والے انداز میں کہنے لگا۔

"معزز سردار! ہمارے اس ساتھی کا دماغ ڈھول اور نقاروں کی آواز سن کر کبھی کبھی بہک جاتا ہے۔آپ اس کی باتوں کا خیال نہ کریں۔" پیچھے سے دوسرے ساتھی نے کہا۔وہ دونوں اب اپنے چوتھے ساتھی کو نیچے بٹھا چکے تھے جو اب تک اپنا پیر پکڑ کر کراہ رہا تھا۔اسے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔

"کون ہو تم لوگ؟" کاہن نے جیسے ان کی تمام باتیں ان سنی کر کے اپنے الفاظ دہرائے۔اس کی گردن سخت اور سر سیدھا اونچا تھا۔اس کی چمکیلی آنکھوں میں ایک عجیب سی

کشش تھی۔ وہ اس طرح گھوما جیسے اس کی گردن اینٹھی ہوئی ہے۔

"ہم شکاری ہیں۔ ایک چٹان سے گر کر ہمارے اس ساتھی کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ رات ہو رہی تھی اس لئے ہم نے سوچا شاید ہمیں کسی قریب کی بستی میں فوری مدد مل سکے۔"

"ہُم...۔" کاہن یہ کہہ کر ان کے زخمی ساتھی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر ہمارے ساتھی کا یہاں کوئی علاج کر دے۔" ان میں سے ایک نے تقریباً التجا کے انداز میں کہا۔

"ہوشنگو۔" کاہن نے ایک موٹے تازے جنگلی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ وہ فوراً آگے آ گیا۔ کاہن نے کچھ اشارہ کیا جس پر اس نے ان لوگوں سے بندوقیں لے لیں اور ان کی کمریں ٹٹولنے لگا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلا کر کاہن کی طرف دیکھا۔

"ان کو لے جاؤ۔" وہ بولا۔

ہوشنگو اور اس کے ساتھیوں نے آگے بڑھ کر ٹوٹی ٹانگ والے آدمی کو دونوں بازوؤں سے اٹھالیا۔ اس کے دونوں ساتھی پیچھے پیچھے ہو لئے اور وہ صفوں کو توڑ کر ایک جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن وہ سب سے آگے والا نیم پاگل ساتھی وہیں کھڑا رہا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے کاہن سے بولا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" کاہن نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ لیکن اس نے ٹیڑھی ٹوپی کے ساتھ کچھ ایسا حلیہ بنا رکھا تھا کہ کاہن کو ہنسی آ گئی۔

"دیوتا کو آج ایک بہت بڑی بھینٹ دی جا رہی ہے۔" وہ کہنے لگا۔

"بھینٹ؟ یہ کیا بلا ہوتی ہے۔"

"تمھارا سر۔" کاہن سنجیدہ ہو گیا۔

"میرا، میرا سر۔ وہاٹ نانسنس۔ میرا سر کوئی حلوہ ہے جو تمھارا دیوتا کھا جائے گا۔ اماں پجاری صاحب، آپ آدمی ہیں یا اخروٹ۔" اس نے تیور بدل کر کہا۔

Akram Allahabadi

''چپ رہو۔'' پجاری نے ڈانٹا۔

''نہیں رہتے، کیوں رہیں۔ اچھا ہمیں تماشہ دکھاؤ تب ہم چپ رہیں گے۔ ہمارا ناچنے کو جی چاہتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور ناچنے والے جنگلیوں کا حلقہ توڑ کر ان کے بیچ میں جا کر اچھلنے کودنے لگا۔ کاہن اسے دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ مٹک مٹک کر گا رہا تھا۔

''جان من اُلو کی دم۔ ٹھمک ٹھم۔ بھئی ٹھمک ٹھم...'' اور پھر سر پر ہاتھ رکھ کر بڑے بھونڈے طریقے سے اچھلنے لگا۔ صفوں میں بیٹھے ہوئے بعض جنگلی زور سے ہنس پڑے۔

اچانک کاہن کی آواز گرجی۔

''اومیلا۔'' اور اس کی گرج کے ساتھ سب طرف ایک سناٹا چھا گیا۔ ناچ بھی رک گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کنارے سے چند خوبصورت سی لڑکیاں، جن کے رنگ سانولے تھے سفید سرخ پھولوں سے لدی ہوئی، ایک عجیب سے انداز میں رقص کرتی ہوئی میدان میں آگئیں۔ ناچنے والے قبائلیوں نے انہیں اپنے ہالے میں لے لیا اور وہ بھی بے ہنگم طریقے پر۔

''ہوہوہو۔ ہی ہی ہی۔'' کی آوازوں سے کمر مٹکا مٹکا کر وہ اچھلنے کودنے لگیں۔ وہ خبطی قسم کا آدمی ان کے پاس جا کر غور سے ان کی حرکت کو دیکھنے لگا جیسے وہ حیران ہو رہا ہو۔

''اوتاشہ۔'' کاہن دوبارہ چیخا۔ اُلو والے موت کے دیوتا کے چبوترے کے نیچے والی دوسری چٹان پر رکھے ہوئے ایک بڑے سے مٹی کے پیالے میں ایک جنگلی نے بہت سا لوبان ڈال دیا۔ اس کا دھواں بلند ہو کر دیوتا کے سر سے اونچا پہنچ گیا۔

''بتاشہ...وہاٹ بتاشہ۔'' اجنبی نے چاروں طرف گھوم کر دہرایا جس پر ایک جنگلی نے اس کا بازو تھام کر ایک طرف اسے اشارے سے دکھایا اور جس پر وہ سکتہ میں رہ گیا۔

شمالی سمت سے صفوں کو چیر کر چند جنگلی ایک آدمی کو جو رسیوں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا، گھسیٹتے لا رہے تھے۔

"ارے یہ اُلّو کا پٹھا" خبطی اجنبی کے منھ سے نکل گیا۔اس کے یہ الفاظ سنتے ہی آس پاس کھڑے ہوئے جنگلی چونک پڑے۔

"اُلّو۔پٹھا۔" ان میں سے ایک نے دہرایا اور وہ سب پھر آپ سے آپ اس پتھر کے دیوتا کی طرف رخ کر کے زمین پر جھک گئے۔

وہ پروفیسر نومان تھا جسے رسیوں سے کس کر لایا جا رہا تھا۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔سر کے بال بکھر کر ماتھے پر آ گئے تھے۔گلے کی ٹائی کھنچ کر ڈھیلی ہو گئی تھی۔اسے بیچ و بیچ میں اس موت کے دیوتا کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا گیا۔کاہن اس کی صورت دیکھتے ہی غصہ میں آ گیا۔

"ہلوما۔" اس نے اپنی زبان میں جنگلیوں کو کچھ حکم دیا اور انھوں نے مسافر نومان کو کنارے کے ایک درخت سے لے جا کر باندھ دیا۔جنگلیوں کی بھیڑ دو طرفہ قطاروں میں بٹ گئی۔

"ہمارے دیوتا کے سر کا تاج چرانے کی سزا جانتے ہو کیا ہوتی ہے؟" کاہن اپنی جگہ سے اتر کر نومان کے قریب جاتے ہوئے اسے خوفناک آنکھوں سے گھور کر بولا۔

"وہ اُلّو کا مجسمہ میں نے نہیں چرایا تھا۔" نومان بے بسی کے عالم میں چیخا۔

"آج سے دو مہینے پہلے تم اور تمھارے دو ساتھی ان کھنڈروں میں گھومتے دیکھے گئے تھے اور تمھارے غائب ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے دیوتا کا یہ تاج بھی غائب ہو گیا تھا۔" کاہن بھاری آواز میں بولا۔

"لیکن وہ حرکت میرے ساتھی کی تھی۔"

"تم جھوٹے ہو۔کاہن گرجا۔" آج بھی ہمارے آدمیوں نے ان کھنڈروں سے تمھیں اس مجسمے سمیت پکڑا ہے۔" کاہن نے اسے ڈانٹا۔وہ صاف شہری زبان بول رہا تھا۔

"میں... میں اسے واپس کرنے آیا تھا۔میں..." نومان نے گھبراہٹ میں جھوٹ

بولنا چاہا۔

''جھوٹ بول کر تم نحوست کے دیوتا کے قہر سے نہیں بچ سکتے۔ تم بھی اپنے اس بوڑھے ساتھی کی طرح اس مورت سے کھنڈروں میں گڑا ہوا خزانہ ڈھونڈنے آئے تھے اور تمھارا حشر بھی اس جیسا ہی ہوگا۔'' کاہن نے اس کی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ خزانہ جہاں بھی ہے دیوتاؤں کا ہے۔ اسے دیوتاؤں کے سوا کوئی نہیں جانتا بیوقوف۔'' اس کے لہجے سے ایک طنز سا نمایاں تھا۔ اس کے ان مکالموں کو سن کر وہ خبطی اجنبی چونک پڑا۔

''خزانہ۔ ہو ہو ہو۔ ہا ہا ہا۔'' خبطی اجنبی زور سے قہقہہ مار کر ہنسا۔ ''بلی کے خواب میں چھیچھڑے۔ اُلّو کے پٹھے کھنڈر میں خزانہ ڈھونڈتے ہیں۔ ہی ہی ہی...''

اس کے منھ سے اُلّو کا نام سنتے ہی قریب کھڑے ہوئے جنگلی پھر اس دیوتا کے سامنے جھک گئے۔ کاہن نے پلٹ کر اس خبطی کو ڈانٹا۔

''جھک جاؤ۔ دیوتا کے سامنے جھک جاؤ۔ تم نے اس کا مقدس نام لیا ہے۔''

''ہشت۔ ہماری کمر ٹوٹی ہے کیا جو جھک جائیں۔'' خبطی سر جھٹک کر بولا۔ اس پر فوراً چار پانچ قبائلیوں نے اس کے گرد برچھے تان لئے۔ اس وقت زخمی کے ساتھ گئے ہوئے اجنبی کے دو ساتھیوں میں سے ایک واپس آ گیا۔ برچھوں کی چبھتی ہوئی نوکوں سے ڈر کر خبطی نے ایک گھٹنا زمین پر ٹیک دیا اور موت کے دیوتا کی طرف منھ کر کے بولا۔

''اے بیوقوف جنگلیوں کے منحوس دیوتا۔ میں تیری کسی دن ایسی حجامت کروں گا کہ تو زندگی بھر پھر شیونگ نہ کرائے گا۔''

'کیا بک رہے ہو۔ دیوتا کی توہین اور وہ بھی اس دن جب وہ ہمیں درشن دینے والے ہیں۔'' کاہن ایک دم بگڑ گیا۔ ''ہلوما۔'' اس نے پھر جنگلیوں کو اشارہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس اجنبی کو بھی ایک دوسرے درخت کے تنے سے باندھ دیا گیا۔ جنگلیوں کا بے ہنگم وحشیانہ رقص پھر شروع ہو گیا۔ بارہ سنگھے کی موٹی کھال سے منڈھے ہوئے نقاروں پر پھر دھا دھم

چوبیں پڑنے لگیں اور جنگل کی خاموش فضا میں ان کی دل ہلا دینے والی آواز ان صدیوں سے ویران پڑے ہوئے کھنڈروں تک جا گونجی۔ دوسری چٹان پر رکھے ہوئے بڑے سے پیالے میں پھر بہت سا لوبان ڈال دیا گیا اور تمام جنگلی مورتی کے سامنے جھک کر اپنی زبان میں نہ جانے کیا کیا بڑبڑانے لگے۔ لوبان کے دھوئیں کے بادل اوپر اٹھ کر موت کے دیوتا کی مورتی پر چھا گئے۔ اچانک ایک روشنی سی ہوئی اور کاہن کے اوپر اٹھتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگے، وہ مورتی کے سامنے جھک گیا اور یہ دیکھ کر باقی جنگلی بھی زمین پر اوندھے گر پڑے۔ نقاروں پر ایک ساتھ بھاری چوب پڑی اور لوبان کا دھواں چھٹتے ہی دیکھا گیا کہ موت کے دیوتا کی مورتی کے ساتھ ہی ایک عجیب و غریب وجود ان کے سامنے موجود تھا۔ وہ بہت خوفناک معلوم ہوتا تھا۔ وہ کبڑا بھی تھا اور اس کی آنکھیں بہت زیادہ چمکیلی اور چھوٹی تھیں۔ اس کے سر پر ایک بال نہ تھا۔ بھنوئیں بالکل صاف تھیں اور دو پتلی پتلی لمبی مونچھیں دونوں طرف لٹک کر اس کی ٹھوڑی کے بھی نیچے اتر گئی تھیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ قابل تعجب بات یہ تھی اس کی پیٹھ پر نکلے ہوئے کوبڑ پر ایک زندہ اُلّو بیٹھا تھا اور بار بار سر موڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"دیوتا ہمیں شکتی دو۔ ہم سے کبھی خفا نہ ہونا۔" کاہن اس کے سامنے گڑگڑانے لگا۔

"یہ چور ہے کون ہیں۔" اس دیوتا کی بھاری آواز بلند ہوئی۔

"یہ مجرم ہیں مقدس اُلّو۔ ان میں سے ایک آپ کا مجسمہ چرا لے گیا تھا اور دوسرے نے آپ کا مذاق اڑایا تھا۔"

"ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ اور اس سے پہلے کہ گیارہویں اُلّو کا قہر ان پر نازل ہو، انہیں ختم ہو جانا چاہیے۔" وہ خوفناک اور کھنکتی ہوئی آواز میں گرجا۔

"ایسا ہی ہوگا نحوست کے دیوتا۔" کاہن یہ کہہ کر پھر اس خوفناک کبڑے وجود کے سامنے جھک گیا۔ اس کی نیچے لٹکی ہوئی مونچھیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ وہ جھکی ہوئی کمر کے ساتھ

ایک بھیانک قہقہہ مار کر ہنسا اور اس کے قہقہہ کے ساتھ اس کے کوبڑ پر بیٹھا ہوا اُلو پھڑ پھڑا کر چیخنے لگا۔ اس کی منحوس آواز سے جنگلی کانپ گئے۔ ہر طرف ایک بھیانک سکون چھا گیا۔ خود وہ اجنبی اور پروفیسر نومان، حیرت و استعجاب میں ڈوبے ایک ٹک اس طرف دیکھ رہے تھے۔ کاہن نے دونوں ہاتھوں میں لوبان بھر کر اس پیالے پر ڈال دیا۔ دھوئیں کے تیز لپیٹے بلند ہو کر موت کے دیوتا کے مجسمہ کے سر تک پہنچ گئے۔ اس حیرت ناک گیارہویں اُلو کے کھلکتے ہوئے بھیانک قہقہے مدھم پڑ گئے، اور جب دھوئیں کا غبار چھٹا تو وہ مفقود ہو چکا تھا۔ صرف موت کا دیوتا اور اس کے سر پر اُلو کا مجسمہ ساکت و سامت کھڑے تھے۔ تمام جنگلی اب تک زمین پر جھکے ہوئے تھے۔

"دیوتا خوش ہوا۔ جاؤ خوشیاں مناؤ۔" کاہن کی آواز سنائی دی پھر اس نے اپنی زبان میں قریب کھڑے ہوئے جنگلی سرداروں کو حکم دیا اور اس کے اشارے کے ساتھ ڈرم پھر بجنے لگے۔ ان کی ڈھل تیز ہوتی گئی یہاں تک کہ جنگل کا دل دہلنے لگا لیکن تھوڑی ہی دیر میں جنگلیوں کی تمام بھیڑ چھٹ گئی۔ کاہن بھی چلا گیا اور ڈرم بھی خاموش ہو گئے۔ سارا میدان ویران ہو گیا۔ صرف دوسرے کنارے کے درختوں میں نومان اور اجنبی خبطی درختوں سے کسے ہوئے رہ گئے تھے۔ وہ اس بری طرح کسے گئے تھے کہ ہل بھی نہ سکتے تھے۔

"مجھے مرنے کا غم نہیں۔" نومان نے بمشکل سر کو اس اجنبی کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "لیکن افسوس یہی ہے کہ میں بے گناہ سزا پا رہا ہوں۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ خبطی جواب میں خاموش رہا۔

"مگر تم بد نصیب کون ہو۔ یہاں کیسے آ پھنسے۔" نومان نے پھر اسے مخاطب کیا۔

"بد نصیب۔ ہونہہ۔ بد نصیب ہو گے تم، تمھارا باپ اور وہ اُلو کا پٹھا، جس نے مابدولت کو یہاں رسیوں سے کس دیا ہے۔ میں صبح اٹھ کر اس کا بھیجہ چیل کوؤں کو کھلاؤں گا۔" اجنبی نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"دوست!" نومان نے کہنا چاہا۔

"دوست؟ کون دوست۔ میں ایسی گالی پسند نہیں کرتا۔ میں دشمن ہوں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے نپولین بونا پارٹ کو خراسان کے چلغوزے کھلا کر مارا تھا۔ مگر تم کیا جانو، کنوئیں کے مینڈک۔" خبطی بڑبڑانے لگا۔

"آہستہ بکواس کرو ورنہ موت اور جلد آجائے گی۔" نومان دبی ہوئی آواز میں بولا۔

"موت... مجھے۔ ہاہاہا۔ وہ موت کا دیوتا کھڑا ہے نا سامنے، یہ حرامخور میرے یہاں چلم بھرتا تھا۔ نوکری چھوڑ کر بھاگا تو یہاں آکر دیوتا بن گیا۔" اجنبی نے سر کو ایک طرف جھٹک کر جواب دیا اور اس اندوہناک صورت حال میں بھی نومان مسکرا پڑا۔

"کاش! میں ایک دن کے لئے آزاد ہو جاتا۔" نومان نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سرد آہ بھری۔

"مگر تمھیں یہاں کون سی موت آئی جا رہی ہے۔" اجنبی نے اسے جھاڑ سنائی۔

"موت۔ تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ بیوقوف تھے جو تمھیں اس طرح چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شائد تم نہیں جانتے کہ یہی سزائے موت ہے جو قانون کی دسترس سے باہر ہو کر یہ جنگلی کسی کو دیتے ہیں۔ ابھی آدھی رات کو قریب کے جنگل کے آدم خور شیر اس طرف آنکلیں گے اور پھر صبح ہماری ہڈیوں میں پیوست بچا کھچا گوشت چیل کوے نوچتے ہوں گے۔ ان جنگلیوں نے ان شیروں کو پال رکھا ہے۔ یہ لوگ زیادہ سے زیادہ دس بجے تک کبھی کبھی یہاں جمع ہو کر اس اُلو نما نحوست کے دیوتا کو پوجتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے گھروں میں گھس کر اس طرح دروازے بند کر لیتے ہیں کہ جیسے یہاں آبادی ہی نہ ہو۔"

"عجیب احمق ہیں، اوندھی کھوپڑی کے۔" اجنبی نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ پھر آدھی رات کے بعد آدم خور درندے اس میدان

تک آپہنچتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ انھوں نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ ہمارا گوشت شیر کھائیں۔کیا یہ قابل فخر بات نہیں۔" اجنبی ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر کر بولا۔

"چپ رہو بیہودے۔تم بالکل پاگل ہو۔" نومان بگڑ گیا۔

"اچھا ہم چپ۔" یہ کہہ کر اجنبی نے دوسری طرف رخ پھیر لیا۔

رات ڈوبتی جارہی تھی یہاں تک کہ دو گھنٹے گذر گئے اور آس پاس کے جنگلی خطوں سے جانوروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ان میں سیاروں اور بھیڑیوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ شیروں کی ڈکاریں بھی گونج رہی تھیں۔

"موت اب قریب آرہی ہے۔" نومان گھبرا کر بڑبڑایا۔" کاش مجھے چند گھنٹے مل جاتے تو میں اس کے سارے ارادے خاک میں ملا دیتا۔"

اتنے میں کسی شیر کی ڈکار قریب سے سنائی دی اور اس وقت نومان کے ساتھ ساتھ خبطی اجنبی بھی چونک پڑا۔شیر پھر بھی بالکل نزدیک نہ تھا۔معلوم ہوتا تھا پچھلی جھاڑیوں میں کہیں کچھ فاصلے پر گذر رہا ہے۔پھر ایک اور ڈکار سنائی دی اور ایک آدم خور شیر نہ جانے کس طرف سے نکل کر میدان میں آکودا۔وہ اپنی دم اٹھا کر گرسنہ شکم انداز میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ان دونوں نے دم سادھ لئے تھے مگر شیر کی زرد چمکیلی نظریں ان پر پڑیں تو وہ کانپ گئے۔شیر نے ایک بھاری ڈکار لی اور جست لینے والے انداز میں اس اجنبی کی طرف ہی بڑھنے لگا۔اجنبی کے چہرے پر پسینہ کے قطرات چھلک اٹھے۔موت واقعی سر پر تھی۔

"میں نے کہا نہ تھا مردود کہ ہماری موت آرہی ہے۔" نومان نیم پاگل انداز میں کھسیانہ ہو کر چیخا،مگر شیر کے جست کرتے ہی سامنے والی ایک جھاڑی سے ایک شعلہ نکلا اور بندوق کی فائرنگ کی آواز کے ساتھ شیر تڑپ کر پھر زمین پر آرہا۔گولی بڑے اچھے نشانہ پر بیٹھی تھی۔وہ دونوں چونک کر اس جھاڑی کی طرف دیکھنے لگے۔ادھر سے تین سائے نکل کر تیزی

Akram Allahabadi

سے ان کی طرف دوڑ رہے تھے۔قریب آتے ہی سب سے پہلے انھوں نے اس اجنبی کی رسیاں کاٹ دیں۔پھر نومان کی۔

"انھیں حراست میں لے لو۔" اجنبی نے نومان کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجہ میں کہا اور فوراً ہی ان میں سے ایک نے بڑھ کر نومان کا ہاتھ تھامنا چاہا۔مگر نومان نے آزاد ہوتے ہی اچھل کر اس زور سے اس کی کنپٹی پر گھونسہ مارا کہ وہ چکرا کر نیچے آرہا اور بڑی پھرتی سے وہ جست مار کر پچھلی جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔دوسرے دو ساتھیوں نے اس کے پیچھے دوڑنا چاہا لیکن اجنبی نے انھیں اشارے سے روک دیا۔

"اس وقت اس کا اس طرح بچ کر نکل جانا ہی بہتر ہے۔جب وہ دونوں ٹکرائیں گے تو ہم آسانی سے ان سب پر قبضہ کر سکیں گے۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔اب اس کا لہجہ صاف تھا۔

"پھر اب کیا کیا جائے۔" ان میں سے ایک نے سوال کیا۔یہ تنویر کی آواز تھی۔

"کھنڈر کی طرف چلنا ہے لیکن سب کچھ اس قدر احتیاط سے ہونا چاہئے کہ ہماری موجودگی کا کسی کو شبہہ نہ ہو۔کسی آخری اقدام سے پہلے ہمیں اس راز کی تمام کڑیاں جان لینے کی ضرورت ہے۔" خان نے رائے دی۔

"ٹارچ ہے نا کسی کے پاس؟" دوسرے نے سوال کیا۔

"میرے پاس ہے۔" باٹلے بول اٹھا۔

"تو چلو۔" یہ کہہ کر وہ لوگ ایک طرف کسی قدر چھدری جھاڑیوں میں داخل ہوگئے۔رات کے گہرے سکوت اور گھنی جھاڑیوں میں پھیلے ہوئے اندھیرے نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے آہستہ آہستہ دبے دبے قدموں سے چلتے ہوئے تقریباً ایک فرلانگ آگے پہلے کھنڈر کے پاس پہنچ گئے۔یہاں باہر سے مکمل تاریکی مسلط معلوم

Akram Allahabadi

ہوتی تھی لیکن اندر روشنی ہو رہی تھی ۔انھیں وقتی طور پر ایک نامعلوم سے خوف وہراس کا احساس ہونے لگا جیسے کھنڈر میں کچھ بد روحیں موجود ہوں ۔ یہ عجیب سا وقتی تخیل تھا لیکن پھر بھی ان میں سے دو آدمی اس سے کافی خوفزدہ معلوم ہوتے تھے ۔جیسے سچ مچ ان کھنڈروں میں روحیں گھوم رہی ہوں ۔

''میں آگے نہیں جاؤں گا۔'' بالے نے ہتھیار ڈال دیے ۔''ورنہ میری ہونے والی بیوی میرے بچوں کی ماں بننے سے محروم ہوجائے گی ۔'' بالے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''مردود۔ یہ وقت مذاق کا نہیں ،کام کا ہے ۔'' خان نے ڈانٹا اور پھر سب سے آگے ان آثار میں داخل ہوگیا ، جو اپنی شکستہ حالت میں اسی جگہ کسی تاریخی بارہ دری کے کسی دور میں واقع ہونے کا اعلان کر رہے تھے ۔

اندر گھستے ہی وہ ایک سمت کی نیم شکستہ دیوار پر ، ایک دیو پیکر سایہ لرزتے دیکھ کر چونک پڑا ۔شکستہ عمارت میں بکھرے ہوئے ملبے کے ڈھیر کے درمیان ایک پتھر پر ایک مدھم روشنی والی لالٹین رکھی ہوئی تھی ۔اس نے گھوم کر دیکھا تو وہ لالٹین کے نزدیک بیٹھے ہوئے کسی آدمی کا عکس تھا ۔خان کا ہاتھ فوراً جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر چلا گیا ۔لیکن اس بیٹھے ہوئے آدمی نے جب کوئی حرکت نہ کی تو وہ اس کے نزدیک ہونے لگا ۔وہ اسی طرح بت بنا بیٹھا رہا ۔

''کون ہو تم ؟'' خان نے اس کے پاس پہنچ کر بھاری آواز میں ایک دم سوال کیا ۔ لیکن جیسے اس پر اس کی آمد کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا ۔اس نے ایک بار گھوم کر خان کی طرف دیکھا اور خان اس کی شکل دیکھ کر عجیب سے شش وپنج میں پڑ گیا ۔اس شخص کی آنکھیں کسی قدر گول تھیں اور سر اور چہرے پر ایک بال کا نام نہ تھا ۔اس کی ناک سے دونوں طرف دو موٹی جھریاں پڑی ہوئی تھیں ۔رنگ زرد ہو رہا تھا اور ان آنکھوں سے ایک عجیب سی ویرانی ، ایک کھویا کھویا پن برس رہا تھا ۔وہ جیسا اپنے ہوش میں نہ ہو ۔اس نے ذرا حرکت نہ کی ۔

Akram Allahabadi

"کون ہو تم ؟" خان نے پھر دریافت کیا۔

"اُلّو۔" وہ اس کی طرف کچھ اور گھوم کر بھاری آواز میں بولا۔ اس کے چہرے کی سفیدی اور جسم پر پڑے ہوئے ایک لمبے عبا نما ہلکے زرد کپڑے سے ایک عجیب سا واہمہ خیز تصور پیدا ہو رہا تھا۔ خان کچھ جھجک سا گیا۔ یہاں کا ماحول اگر وحشت خیز اور ویران نہ ہوتا تو شاید وہ اس کے جواب پر ہنسے بغیر نہ رہتا لیکن اس عجیب وغریب تاریخی اُلّوؤں کے ویرانے میں وہ اس جواب کو بے معنی نہ سمجھ سکا۔

"کون سے اُلّو ہو تم ؟" خان نے اپنے وقتی تاثر پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"نمبر ایک۔" اس نے بڑی سادگی سے اپنی ایک انگلی ہوا میں بلند کرتے ہوئے جواب دیا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"اپنے ویرانے کی حفاظت۔ بھاگ جاؤ" وہ تقریباً سرگوشی کے لہجہ میں بولا۔ "وہ گیارہواں اُلّو تمھیں نوچ نوچ کر کھا جائے گا۔ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر وہ کسی کو معاف نہیں کرتا۔ وہ ہر جگہ کو اجاڑ دیتا ہے۔ ہر چیز کو برباد کر دیتا ہے۔" وہ پراسرار شخص کچھ اس انداز میں بڑبڑاتا گیا جیسے کوئی آواز بھرا ریکارڈ بج رہا ہو۔

"اوہ! تو تم اس پہلے اُلّو کی روح ہو۔" خان مسکرایا۔

"ہمارا مذاق نہ اڑاؤ۔ ہم منحوس ہیں۔" اس نے گردن کسی طرف موڑے بغیر جواب دیا۔ لیکن خان دیکھ رہا تھا کہ اس کی پتلیاں حرکت نہیں کر رہی ہیں۔ جسم اکڑا اکڑا سا ہے۔

"تمھارا گیارہواں اُلّو کہاں ہے؟"

"جہنم میں۔ تمھیں کیا؟"

"مجھے اُلّوؤں کا اچار چاہیے۔"

"ہم نہیں جانتے۔ اب ہم سو رہے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ شخص پھر ساکت وسامت

Akram Allahabadi

ہوگیا۔ خان نے اسے جھنجھوڑ کر دیکھا۔ وہ واقعی سوگیا تھا اور فوراً بعد ہی اس کے خرّاٹے بلند ہونے لگے۔ وہ اسی پتھر پر لیٹ گیا۔ خان کے اشارے پر باقی ساتھی بھی اندر آگئے اور انھوں نے اس سوئے ہوئے اُلّو کو رسیوں سے کس دیا۔ اس کے بعد وہ اس کھنڈر سے نکل کر جب اس کے پاس والے اسی جیسے دوسرے کھنڈر میں پہنچے، جس کی دیواریں کسی قدر اونچی اور ایک دو دروازے نصف سالم تھے تو وہ پھر حیران رہ گئے کیونکہ یہاں بھی ایک مدھم لالٹین کے ساتھ ایک اُلّو ایک چبوترے پر موجود تھا۔ اس نے بالکل اتنی ہی مختصر اور ویسی ہی باتیں کی جیسی پہلے اُلّو نے کی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنا نام اُلّو نمبر ۲ بتاتے ہوئے دو انگلیاں اٹھا دی تھیں اور کسی ڈرامے کے ریکارڈ کی طرح وہ بھی اتنا ہی بول کر سوگیا۔

''یہ عجیب مصیبت ہے۔'' تنویر نے حیرت سے سر جھٹک کر کہا۔

''یہ عجائب خانہ ہے بیٹے۔ خاموشی سے دیکھتے جاؤ۔ کس دو اسے بھی۔'' خان نے آہستہ سے اسے ہدایت کی۔ لیکن رسیوں سے کسے جاتے وقت بھی وہ اُلّو بیدار نہیں ہوا۔ اور وہ اسے وہیں بندھا ہوا چھوڑ کر تیسرے کھنڈر کی طرف روانہ ہوگئے۔ دور تک پھیلے ہوئے پختہ کھنڈرات کے یہ گیارہ حصے اپنی ساخت میں کسی قدر یکسانیت رکھتے تھے لیکن ان کے انہدام نے ان کی سابقہ حیثیت کو ختم کردیا تھا۔

تیسرے کھنڈر میں پھر انھیں ایک ایسا ہی اُلّو دکھائی دیا۔ لیکن وہ کچھ زیادہ غنودگی میں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے صرف اسی قدر بتایا کہ وہ تیسرا اُلّو ہے اور اپنے موروثی ویرانے کی حفاظت کررہا ہے۔ چوتھے کھنڈر میں انھیں ایک چوتھے اُلّو سے پالا پڑا۔ ان سب کے حلیے اور انداز تقریباً یکساں تھے۔ صرف ان کے چہروں کے نقوش میں نمایاں فرق تھا۔ ان کے لہجے بھی اگرچہ جدا جدا تھے لیکن ان کے الفاظ یکساں ہوتے۔ چوتھے اُلّو سے بالے سوال کر بیٹھا۔

''تم کب سے یہاں بیٹھے ہو؟''

''۲۶۰ برس سے۔'' وہ مختصراً بولا۔

Akram Allahabadi

"باپ رے، ۳۶۰...ضرور سٹھیا گیا ہے یہ بڈھا۔" بالے اچھل پڑا۔

پھر یہ بھی سوگیا اور اسے بھی رسیوں میں کس دیا گیا۔اسی طرح وہ ۹ کھنڈروں تک بڑی خاموشی سے بغیر آہٹ کئے چلے گئے اور انھیں ہر کھنڈر میں ایک آدمی نما اُلّو ملتا چلا گیا، جس کے پاس ایک مدھم سی لالٹین ضرور رکھی رہتی تھی۔وہ سب مختصر گفتگو کے بعد سوتے چلے جاتے تھے اور یہ لوگ انھیں رسیوں سے کسے چلے جارہے تھے۔

"تعجب ہے کہ یہ انسان نما اُلّو رات کو سوتے ہیں۔اُلّو رات کو کہاں سویا کرتے ہیں۔" بالے نے خان سے سوال کیا۔

"وہ تمھاری نسل سے کچھ مختلف ہیں۔" خان نے جواب دیا۔اس پر تنویر ہنس دیا۔

"میں اُلّوؤں کی بات کررہا تھا۔" بالے نے بُرا سا منھ بنا کر کہا۔

"اور میں نے اسی کا جواب دیا ہے۔" خان نے کہا۔لیکن اب وہ دسویں کھنڈر کے قریب تھے۔اس لئے پھر انھوں نے دم سادھ لیا اور یکے بعد دیگرے کھنڈر میں داخل ہوگئے۔ یہاں بھی دسواں اُلّو موجود تھا۔مگر وہ پہلی نو شخصیتوں سے کسی قدر مختلف تھا۔خان نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔وہ اس کی طرف گھومتے ہی بگڑ پڑا۔

"اندھو! شرم نہیں آتی۔بغیر لالٹین کے بازار میں گھومتے پھرتے ہو۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"آپ کو ملاحظہ فرمایئے۔آپ کچھ مختلف ذات کے معلوم ہوتے ہیں۔" بالے نے اس اُلّو کی طرف اشارہ کرکے خان سے کہا۔

"ہم جب زندہ تھے تو ہم نے تم جیسے تین احمقوں کی چٹنی بنا کر ڈبل روٹی سے کھائی تھی لڑکے۔"

وہ اُلّو بالے کی طرف گھوم پڑا۔اس کے مردہ سے چہرے پر گڑی ہوئی خوفناک آنکھیں چمک رہی تھیں۔

Akram Allahabadi

''تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تمھیں ہماری جائداد سے ایک پائی نہ ملے گی نالائقو۔ ہم تم کو عاق کرتے ہیں۔'' وہ ان کے قریب آکر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''اور ہم تم پر آخ تھو کرتے ہیں۔'' بالے جلدی سے بول پڑا۔

''اوں، بڑے بدتمیز ہو۔ خیر دور ہو جاؤ یہاں سے ورنہ ہمیں غصہ آجائے گا۔'' وہ سر کو جھٹک کر پلٹنے لگا۔ خان نے تنویر، بالے اور راجندر کو اشارہ کیا۔ وہ سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ مگر اس نے بجائے مدافعت کرنے کے زمین پر پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر اس لالٹین پر کھینچ مارا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بجھ گئی۔ بالے اور تنویر نے اسے پوری طاقت سے نیچے دبا لیا۔ خان ان کے نزدیک ہی کھڑا رہا۔

چند سکنڈ بعد وہ کھنڈر کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سن کر چونک پڑا۔ اسی وقت بالے اور تنویر کی گرفت کسی قدر ڈھیلی پڑنے پر نیچے دبا ہوا آدمی چیخنے لگا۔

''ارے مردودو۔ مجھے کیوں دبائے ڈال رہے ہو۔''

اس آواز کو سنتے ہی بالے اور تنویر اچھل پڑے۔ بالے نے سیدھے کھڑے ہو کر ٹارچ کی روشنی زمین پر پڑے ہوئے آدمی پر ڈالی۔ وہ راجندر تھا جو اپنی کمر سہلاتا ہوا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اف نالائق کہیں کے۔'' خان بڑبڑایا۔ ''نکل گیا نا وہ۔''

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی کھنڈر کی دیواریں ایک بھیانک قہقہے سے گونجنے لگیں اور پھر دو سکنڈ بعد یہ قہقہے مدھم ہوتے ہوئے ایسے ڈوب گئے جیسے کوئی آواز اڑ کر دور بہت دور پہنچ گئی ہو۔

ان لوگوں نے یہ پورا کھنڈر کھنگال ڈالا۔ لیکن کسی کا پتہ نہ چلا۔ خان خود ٹارچ کی روشنی پھینکتا ہوا باہر دور تک دیکھتا چلا گیا۔ لیکن آگے گھنی جھاڑیاں تھیں جن کے بعد درندوں کا خطرہ تھا اور وہ اکیلا تھا اس لئے لوٹ آیا۔ تب تک بالے اور تنویر اور راجندر پاس والے دوسرے

Akram Allahabadi

کھنڈر تک پہنچ چکے تھے اور اسے بھی اچھی طرح دیکھ ڈالنے کے باوجود جب انھیں کچھ نہ ملا تو سب پیچھے کی طرف لوٹے اور پچھلے کھنڈروں کی تلاشی لینے لگے لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھیں وہاں کچھ بھی نہ ملا۔ وہ اُلّو، جنھیں یہ رسیوں سے باندھ کر گئے تھے، غائب تھے۔ حتیٰ کہ لالٹین یا کوئی اور دوسری علامت ایسی نہ تھی جو اس سے پہلے وہاں کسی شے کا وجود ہونا ثابت کرتی۔ صرف چمگادڑوں کی بیٹ بدبو دے رہی تھی اور اکا دکا چمگادڑیں ادھر سے ادھر سنسناتی، چیختی پھر رہی تھیں۔

Akram Allahabadi

دستاویز غائب

دوپہر ہونے سے کچھ قبل خان اور تنویر اپنا سامان ایک زمین پر پھیلی ہوئی گھنی جھاڑی میں چھپا کر کھنڈروں کی طرف، بیوقوف اجنبی آدمیوں کی طرح بڑھنے لگے، جیسے وہ راستہ بھول گئے ہوں اور اتفاقاً اِدھر آ نکلے ہوں۔ لیکن کھنڈروں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

خان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اطمینان کرنے کے بعد جیب سے وہ بوسیدہ تاریخی دستاویز کے ٹکڑے اور خاکہ نکال لیا۔ وہ ایک کھنڈر کے سرے پر دیوار کی آڑ میں بیٹھ گیا اور ان ٹکڑوں کے اردو ترجمے اور اس خاکے کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھنے لگا۔ اس خاکے کی شکل کچھ عجیب قسم کی تھی۔

دستاویز کے تیسرے ٹکڑے پر جو ایک مدھم سا خاکہ بنا تھا اس کی شکل مختلف تھی۔ پہلے خاکے کو خان نے یہ کہتے ہوئے جیب میں رکھ لیا کہ یہ نقشہ جہاں تک رہنمائی کر سکتا تھا ہم وہاں تک آ چکے ہیں۔ لیکن دوسرے نقشے میں وہ دیر تک الجھا رہا پھر آپ سے آپ اس کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ جتنے موڑ ہیں اگر انھیں ایک ایک نقطہ تصور کر لیا جائے تو گیارہ منزلیں واضح ہو جاتی ہیں اور پہلے نقشہ میں جو گیارہ پوائنٹ ہیں وہ ضرور ان گیارہ کھنڈروں کے لئے ہیں۔ نقشہ کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ٹکڑوں کا آپس میں کوئی گہرا رشتہ ہے اور خفیہ خزانہ یا تو گیارہویں کھنڈر میں ہے یا اس کے نزدیک۔ یہ بھی ممکن ہے اس کا کوئی براہ راست راستہ نمبر ا سے شروع ہوا ہو۔ یہ نمبر یا تو کوئی درخت ہے یا پھر..."

"پھر..." یہ کہتے کہتے وہ کاغذ پر اُلّو کا ایک سامنے کا خاکہ بنا کر اس پر سیاہی بھرنے لگا۔ خاکے کے سیاہ ہوتے ہی اس کی شکل اس نمبر ایک والے دو باریک شاخوں کے بیضاوی

Akram Allahabadi

نشان سے ملنے لگی۔

"اُلّو...اور وہ بھی پتھر کا؟" وہ آپ سے آپ بولا۔

"پتھر کا کیوں؟" تنویر نے پوچھا۔

"دیکھتے نہیں۔اس کے نیچے ایک سیدھی لکیر ہے۔نقشہ میں یہ چیز کسی پتھر کے مجسمہ کے نچلے حصہ کو ظاہر کرتی ہے۔اگر یہ لکیر ٹیڑھی ہوتی تو اس کا مطلب اس اُلّو سے ہوتا جو درخت کی شاخ پر بیٹھتا ہو؟ یا پھر کچھ اور ہوتا۔" خان نے جواب دیا۔

"تو پھر وہ پتھر کا اُلّو وہی تو نہیں جو جنگلیوں کے اس دیوتا کے سر پر رکھا ہے۔" تنویر نے رائے دی۔

"بہت ممکن ہے۔کیونکہ اس کو حاصل کرنے کے لئے یہاں بہت ڈھونگ رچائے گئے معلوم ہوتے ہیں۔مگر شاید ابھی تک اس پُراسرار شخص کے ہاتھ پورا مسودہ (دستاویز) نہیں لگا ہے۔" خان نے بتایا۔

"تو چلئے اسے کسی طرح حاصل کر کے تحقیق تو کی جائے۔" تنویر نے رائے دی۔

"میری رائے میں تو وہ وہاں سے غائب ہو چکا ہوگا اور اس کا الزام نومان کے سر ہی لگے گا۔اب صرف اس ہستی کو خزانے کے اصل مقام اور راستے کی تلاش ہے کیونکہ اس کے پاس دستاویز کے یہ ٹکڑے اور اس کا نقشہ نہیں ہے۔" خان نے بتایا۔

"آپ کے خیال میں وہ کون سی پُراسرار ہستی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے وہ کبڑا اُلّو دیوتا کچھ اور ہو اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے بھیس بدل کر اپنے شعبدوں سے جنگلیوں کو بیوقوف بنا رہا ہو۔"

"اچھا آپ تھوڑی دیر یہاں بیٹھئے۔میں رفع حاجت کے بعد آتا ہوں۔" تنویر یہ کہہ کر اٹھ کر جھاڑیوں کی طرف نکل گیا اور خان اپنی دھن میں کھویا رہا۔یہ بات اب قرین قیاس ہو چکی تھی کہ ان تاریخی آثار میں گڑا ہوا کوئی پرانا اور اہم خزانہ موجود ہے جس کے لئے بڑے

Akram Allahabadi

پراسرار طریقے پر اسے حاصل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ گیارہویں اُلو کی نامعلوم پراسرار شخصیت اور کھنڈروں میں ملنے والے دس اُلو اب تک ایک راز بنے ہوئے تھے۔ رات جو کچھ پیش آیا تھا وہ دوسروں کے لئے ایک واہمہ، ایک خواب یا ایک آسیب بھی ہوسکتا تھا۔ لیکن خان کا دماغ تیزی سے اس سلسلے کی کڑیاں جوڑنے میں لگا ہوا تھا۔

جب تنویر کو گئے ہوئے تقریباً ۴۵ منٹ ہوگئے اور وہ نہ لوٹا تو خان کو تشویش ہونے لگی۔ خود اسے ڈھونڈنے چل دیا۔ جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر تنویر اسے دور سے آتا ہوا نظر آیا۔ وہ کسی قدر کھویا کھویا معلوم ہو رہا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم۔" خان نے اس سے پوچھا اور تنویر نے نگاہیں اوپر اٹھا دیں۔ خان یہ دیکھ کر کسی قدر شش وپنج میں پڑ گیا کہ اس کی آنکھیں کچھ دھنسی یا مخموری نظر آرہی تھیں۔

"منہ سنگھاؤ تم کسی جنگلی کے جھونپڑے سے شراب تو نہیں پی آئے۔" اس نے اس کے بالکل قریب ہوکر کہا۔

"میں اس نقشہ کا راز معلوم کرکے آیا ہوں۔ لائیے یہ کاغذ مجھے دیجئے تو میں ایک چیز دیتا ہوں۔" تنویر نے اسی کھوئے ہوئے انداز میں کہا اور خان نے اسے تقریباً مذاق سمجھتے ہوئے بھی اس کی دل جوئی کے لئے وہ کاغذات اس کے حوالے کردیے مگر فوراً ہی وہ چونک پڑا، کیونکہ تنویر نے انھیں جیب میں رکھ لیا تھا۔

"تنویر۔" خان نے بولنا چاہا۔ لیکن تنویر نے ایک بھرپور گھونسہ اس کی کنپٹی پر مارا کہ وہ تیورا کر گر پڑا اور بیہوش ہوگیا۔ تنویر گردن سیدھی کئے اسی طرح پلٹا اور آہستہ چلتا ہوا پھر ان ہی جھاڑیوں میں روپوش ہوگیا۔

Akram Allahabadi

عجیب انکشاف

خان کی جب آنکھ کھلی تو وہ پہاڑیوں کی بستی کے ایک جھونپڑے میں تھا اور سارجنٹ بالے، ایس پی مہندر اور راجندر اسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ ایک اسٹریچر پر لیٹا تھا۔ دروازے کے قریب کچھ سب انسپکٹر اور کانسٹبل کھڑے ہوئے تھے۔ وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایس پی مہندر پر نظر پڑتے ہی اس نے کچھ چونک کر انھیں اشارے سے سلام کیا۔ وہ مسکرادیے۔

"ہم نے اس بوڑھے کاہن کو گرفتار کرلیا ہے۔" راجندر نے قریب ہو کر کہا۔

"کاہن کو؟ مگر مجھے..." خان اٹک اٹک کر سوچنے لگا۔ "تنویر کہاں ہے۔" وہ اک دم پوچھ بیٹھا۔

"اس کا پتہ نہیں۔ ہم سمجھے آپ نے ہی کہیں بھیجا ہوگا۔" بالے نے جواب دیا۔

"وہ.. مگر نہیں۔ وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ ضرور میری نگاہوں کو دھوکا ہوا ہے یا پھر اس کے بھیس میں کوئی آیا ہوگا۔ خان بڑبڑانے لگا اور پھر اس نے انھیں جو کچھ ہوا تھا سب بتا دیا۔

"عجیب بات ہے۔ تنویر تو ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔" بالے نے بھی اس کی طرف داری کی۔

"تم فوراً آدمی بھیج کر اسے کھنڈروں کے آس پاس والے علاقہ میں تلاش کراؤ" خان راجندر سے کہنے لگا۔ لیکن پولیس کو تو میں نے خفیہ طور پر لانے کو کہا تھا" وہ بالے سے پوچھنے لگا۔

"ہم بہت محتاط ہو کر آرہے تھے لیکن پہاڑیوں کے پچھلے سرے سے چند جنگلیوں نے ہمیں دیکھ لیا اور شور مچاتے ہوئے بھاگے جس سے یہاں بستی میں کھلبلی مچ گئی اور بالے نے

Akram Allahabadi

آپ کو اس عالم میں پا کر اس بستی پر چھاپہ مار دیا۔ہم نے اس بوڑھے کاہن کو گرفتار کر لیا ہے۔''
ایس پی مہندر نے خود بیچ میں بات کاٹ کر جواب دیا۔''لیکن آپ تو ٹھیک ہیں نا؟''اس نے سوال کیا۔

''جی ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔''یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔''راجندر تم کاہن کو کڑی حراست میں رکھو۔ہم ان کھنڈروں پر چھاپہ مارتے ہیں۔''یہ کہتا ہوا وہ دوسرے سب انسپکٹروں کی طرف متوجہ ہوا۔

''آپ لوگ چاروں طرف سے ان کھنڈروں اور اطراف کے علاقوں کو گھیر لیجئے۔ کوئی ایک فرد نکل کر نہ جانے پائے۔''

پولیس ہدایت کے مطابق فوراً ہی مستعد ہوگئی۔جنگلی قبائلیوں کی بستی میں عجیب سی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔وہ لوگ پولیس کو دیکھ کر بری طرح خوفزدہ تھے۔ان کے تین بڑے بڑے سرغنہ بھی گرفتار کیے جا چکے تھے۔مسلح پولیس کا ایک دستہ اس بستی پر پہرہ دے رہا تھا۔

چاروں طرف سے کھنڈروں کو گھیر کر خان نے ایس پی مہندر، راجندر اور چند دوسرے افسروں کی معیت میں جب کھنڈروں پر چھاپہ مارا تو کونہ کونہ چھان مارنے کے باوجود وہاں کوئی قابل ذکر شے نہ ملی۔کسی ذی روح کا وجود تک نہ تھا سوائے ان گیدڑوں کے جو دوپہر کے اوقات میں یہاں آ کر چھپ رہتے تھے۔کھنڈروں سے نکل کر اطراف کے جنگل چھان ڈالے گئے اور کچھ پتہ نہ چلا کہ ان تاریخی اُلّوؤں کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔اسی جدوجہد میں سہ پہر کے تین بج گئے۔خان مایوس ہو کر ساتھیوں سمیت بستی کی طرف لوٹ آیا اور کھنڈروں پر پولیس کا مضبوط پہرہ لگا دیا گیا۔ایس پی مہندر کا موڈ کچھ نا خوشگوار ہو گیا تھا اور راجندر ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔''ضرور وہ ان تاریخی اُلّوؤں کے بھوت تھے۔مجھے تو رات ہی یقین ہو گیا تھا کہ وہ کوئی زندہ وجود نہیں۔''اور ساتھی اس کی یہ روایتی داستان بڑے غور سے سن رہے تھے۔

خان نے یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے گرفتار شدہ کاہن کو بلوایا۔ وہ جب ان کے سامنے لایا گیا تو سر سے پیر تک کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اس وقت وہ خوفناک چمک نہ تھی جو رات کو دیکھی گئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح اکڑا ہوا بھی نہ تھا بلکہ کمزور اور خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ سامنے آ کر وہ سب کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

خان نے اس سے رات کے واقعات اور اس گیارہویں اُلو کے بارے میں سوالات شروع کئے جو رات کو کبڑے دیوتا کے روپ میں نمودار ہوا تھا اور جس کے کوبڑ پر ایک خوفناک آنکھوں والا زندہ اُلو بیٹھا تھا۔ لیکن اسے حیرت ہونے لگی کہ کاہن بڑی معصومیت کے ساتھ خود اس کے سوالوں پر اظہار حیرت کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اس نے کبھی کسی زندہ دیوتا کے درشن نہیں کئے۔ اُلو کی مورتی چوری ضرور کی گئی تھی لیکن اس نے چور کو کوئی سزا نہیں دی۔ وہ ان کھنڈروں کے بارے میں بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ صدیوں سے دیوتاؤں کے مسکن ہیں اور وہاں اُلوؤں کا راج ہے۔ مگر جب خود اس کے سامنے بہت سے قبائلیوں کو بلوا کر یہ گواہی دلوائی گئی کہ کبڑا دیوتا، اُلو پیٹھ پر لئے اکثر نمودار ہوتا رہا ہے اور خود کاہن اس کی پوجا کرتا رہا ہے تو بوڑھا کاہن چیخ مار کر اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ہر طرح خان کو یہی یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور وہ کیا کیا سن رہا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ ''یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں یا یہ سب پاگل ہو گئے ہیں۔''

''اچھا تم کسی اور ایسی چیز کے بارے میں جانتے ہو جو ان باتوں سے علیحدہ اور تمھارے لئے انوکھی ہو۔'' خان نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

کاہن اپنے دماغ پر زور دے کر سوچنے لگا اور کافی دیر بعد چونک کر بڑبڑایا۔

''وہ آنکھیں، وہ دو زرد آنکھیں۔ مگر.... وہ کیا ہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے پھر جھنجھلاتے ہوئے سر جھٹک دیا۔

''یاد کرنے کی کوشش کرو۔ ورنہ تم خود کو قانون کے شکنجے سے نہ بچا سکو گے۔'' خان

Akram Allahabadi

نے سخت لہجہ میں کہا۔

وہ مجھے کبھی کبھی دکھائی دیتی تھیں... اور میں۔ اُف مقدس اُلّو۔ کوئی انھیں دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتا۔ وہ سفید پروں میں چھپی ہوئی دو آنکھیں جب مجھے گھورنے لگتی ہیں تو مجھے کچھ یاد نہیں رہتا کہ میں کون ہوں، کیا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لئے چپ ہوگیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ مقدس دیوتا کی روح ہے۔" اس نے پھر کہا۔

"تم نے اسے کہاں دیکھا ہے۔"

"دیوتا کے مجسمے کے پیچھے سر سے پیر تک سفید اور اس کی آنکھیں، ان کو دیکھ کر ہوش نہیں رہتا۔" اب وہ اکھڑے اکھڑے جملے بولنے لگا۔ خان کے پاس کھڑکی پر پانی کا گلاس رکھا تھا اس نے اس کا پانی کاہن کے منھ پر کھینچ مارا۔ وہ جیسے نیند سے چونک پڑا۔

"ایں۔" اس کے منھ سے نکلا اور خان مسکرادیا۔

"وہ کمبخت مسمریزم جانتا ہے۔" خان ایس پی کی طرف گھوما۔ ہپناٹزم کے زیر اثر آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ اسے ہوش میں آنے پر یاد نہیں رہتا۔ اس بوڑھے کاہن کو ہپناٹائز کیا جاتا رہا ہے اور مجھے اب شبہ ہو رہا ہے کہ تنویر جب رفع حاجت کے لئے جھاڑیوں کی طرف گیا تھا تو ضرور وہ اس نامعلوم شخص کی گرفت میں آگیا ہوگا۔ مگر تعجب ہے کہ ان کاغذات کو پالینے کے بعد وہ غائب کہاں ہوگیا۔ اس خزانے کے راز کی تمام کڑیاں تو ان سے کھل گئی ہوں گی۔"

"خزانہ؟" ایس پی مہندر جواب تک حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا، چونک کر بولا۔

"ہاں، یہ سارا اندھیر ان تاریخی کھنڈروں میں گڑے ہوئے خزانے کے لئے ہے۔" خان نے بتایا۔ اتنے میں ایک سب انسپکٹر نے اندر آکر خبر دی کہ تنویر کھنڈروں کے نزدیک ایک جھاڑی میں بیہوش پڑا پایا گیا ہے۔ بالے اسے لے کر آرہا ہے۔

تنویر تھوڑی دیر بعد ہی آگیا۔ وہ اس وقت ہوش میں تھا۔ وہ صرف اتنا بتا سکا کہ میں

Akram Allahabadi

نے جنگل میں جاتے وقت کھٹکے کی آواز پر دو پر کشش سرخ زردی مائل آنکھیں ایک جھاڑی میں مجھے حیرت سے گھورتی ہوئی دیکھی تھیں اور میں صرف اس قدر دیکھ سکا کہ اس کا خوفناک چہرہ سفید تھا اس کی پیٹھ پر کوبڑ تھا اور اس پر ایک اُلو بیٹھا ہوا تھا۔اس کے بعد وہ میرے اور قریب ہوگیا اور مجھ پر بیہوشی سی چھانے لگی۔دوبارہ آنکھ کھلنے پر میں نے بالے کو دیکھا،وہ میرے منھ پر تھپڑ مار رہا تھا۔اس کے سوا اور کچھ مجھے یاد نہیں۔

''وہ کمبخت ضرور وہی گیارھواں اُلو تھا۔'' خان بڑبڑایا مگر ہم اسے اس کے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔''

''ہمیں اب بظاہر یہاں سے واپس لوٹ کر پوشیدہ طور پر ان کھنڈروں کا محاصرہ جاری رکھنا ہوگا۔وہ اس خزانے کا تمام راز پا چکا ہے اور اسے نکالنے کے لئے اپنے ساتھی اُلوؤں کے ساتھ ضرور واپس آئے گا۔مجھے یقین ہے کہ اس کے وہ باقی دس اُلو بھی ہپناٹزم کے زیر اثر کام کر رہے ہیں۔وہ لوگ یا تو شہری مزدور ہیں یا معمولی قسم کے لوگ۔'' خان نے بتایا۔ پھر وہ ایس پی کی طرف گھوم کر بولا۔

''آپ تو چمکدار شیشوں والی عینک لگاتے ہیں۔''

''ہاں صرف پڑھتے وقت،مگر کیوں؟''

وہ سردست مجھے دے دیجئے۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا۔ایس پی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی جیب سے اپنی عینک نکال کر اسے دے دی۔

شام ہونے سے پہلے پہلے پولیس فورس بوڑھے کاہن اور تین قبائلی سرغنوں کو حراست میں لئے واپس لوٹ گئی اور بستی پر موت کا سناٹا چھا گیا۔لیکن شام ہوتے ہوتے تمام بستی میں ایک شور مچ گیا۔دیوتا کے سر کا تاج یعنی وہ اُلو کا مجسمہ پھر غائب ہوگیا تھا۔قبائلی پہلے

Akram Allahabadi

ہی اپنے کاہن اور سرغنوں کی گرفتاری پر گھٹے بیٹھے تھے۔انھیں یقین ہوگیا کہ دیوتا کے سر کا تاج بھی پولیس والے لے گئے ہیں۔وہ مشتعل ہو گئے اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد برچھوں، بھالوں اور خنجروں سے آراستہ ہو کر واپس جاتی ہوئی پولیس کے پیچھے چل پڑے۔خان نے دو جاسوس جنگلیوں کے بھیس میں چھوڑ دیے تھے اور جب تک ان مشتعل قبائلیوں کے گروہ یہاں سے روانہ ہوں، وہ پولیس فورس کو خبر کرنے کے لئے بستی سے نکل گئے۔

خان اور اس کے ساتھی ابھی جنگل میں ہی پوشیدہ محاصرہ منظم کر رہے تھے۔اطلاع پاتے ہی وہ مستعد ہو گئے۔خان اور ایس پی ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے۔کاہن ان کے ساتھ تھا۔چند پولیس والوں کو درخت پر چڑھا دیا گیا۔باقی نے پوزیشن لے لی۔سارا جنگل تھوڑی دیر میں ان وحشی قبائلیوں کی چیخ وپکار اور مشتعل نعروں سے گونجنے لگا لیکن قانون کے محافظوں کے ساتھ اس وقت سوال یہ بھی تھا کہ اگر ان کی گولی چلی تو بے گناہ مارے جائیں گے۔

وہ اپنے جنون میں نالوں کو پھلانگتے جھاڑیوں کو کاٹتے تین چار سو کی تعداد میں بڑھتے چلے آرہے تھے جب کہ پولیس کی جمعیت یہاں بمشکل ۶۰ افراد پر مشتمل تھی اور ۴۰ آدمی کھنڈروں کے اطراف میں پوشیدہ طور پر پھیلا دیے گئے تھے۔ان کے سامنے آتے ہی خان نے کاہن کو آگے بڑھا دیا۔

"ان سے کہو کہ ان کے دیوتا کا تاج ہم نے نہیں چرایا۔وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔" خان نے تحکمانہ لہجہ میں کاہن سے کہا۔اور کاہن نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں اپنی زبان میں یہی الفاظ دہرائے، لیکن بجائے کوئی اثر ہونے کے وہ قبائلی اور شور مچانے لگے۔کاہن کا سر جھک گیا اور وہ پلٹ کر بولا۔

"وہ مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔کہتے ہیں تم نے بستی میں بھی جھوٹ بولا تھا کہ میں نے بڑے دیوتا کو کبھی نہیں دیکھا۔" ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فائرنگ کی دو آوازیں ہوئیں اور اس کے ساتھ ایک درخت سے دو پولیس کانسٹیبل چیخ مار کر نیچے جا گرے۔

Akram Allahabadi

"ان کے پاس بندوقیں بھی ہیں؟" دوسری طرف سے بالے نے چیخ کر کہا۔

"فائر۔" ایس پی مہندر نے حکم دیا اور درختوں سے دھائیں دھائیں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کئی قبائلیوں کی چیخوں کے ساتھ ان کی لاشیں نیچے تڑپتی نظر آئیں، لیکن وہ فوراً ہی آڑ میں ہو گئے اور انھوں نے بھالے کھینچ کھینچ کر مارنا شروع کیے۔ سارا جنگل بندوقوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ گولیاں سنسناتی ہوئی درختوں کے درمیان سے گذرنے لگیں اور ایک عجیب سا شور برپا ہو گیا۔ لیکن پولیس کے پاس بندوقیں بھی زیادہ تھیں اور نشانے بھی بندھے ہوئے تھے، چنانچہ جم کر مقابلہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ رات کی سیاہی پھیلنے لگی۔ حالات اور مخدوش ہونے لگے۔ قبائلی اس خطرناک علاقہ کے چپے چپے سے واقف تھے، اس لئے پولیس کو ان کی طرف سے شب خون کا خطرہ تھا۔ اندھیرا ہو جانے کے بعد فائرنگ تو بند ہو چکی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ واپس لوٹ گئے ہوں۔ سپاہیوں نے بہت سی خشک لکڑی اکٹھا کر لی اور ایک بڑی چٹان کے نزدیک الاؤ جلا دیا گیا اور تمام افسران اور سپاہی اردگرد پھیل گئے۔

"یہ عجیب مصیبت میں پھنسے۔" بالے نے ایک گرے ہوئے سوکھے درخت کے تنے پر تھک کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹے، یہی تو حق حلال کرنے کا موقع ہے۔ کتنا دلچسپ، کتنا پر لطف۔" خان سگریٹ منہ میں دبا کر بولا۔

"اگر آپ لذیذ بھی کہتے تو زیادہ مناسب تھا۔" بالے جل کر بولو۔ "کہیں حق حلال کرتے کرتے ہم خود حلال نہ ہو جائیں۔"

"اچھا ہے، دھرتی کا بوجھ کم ہو جائے گا۔" خان یہ کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

یہ تمام رات عجیب سنسنی خیز ماحول میں گذری۔ باری باری مسلح پولیس کے دس، دس کے دو دستے اردگرد پیٹرول کرتے رہے اور باقی نصف مورچہ لئے بیٹھے رہے۔ خدا خدا کر کے بعافیت سویرا ہو گیا، لیکن صبح صبح کھنڈر کی طرف پوسٹ کئے گئے ۴۰ آدمیوں کو سامنے موجود پا کر

Akram Allahabadi

خان جھنجھلا اٹھا۔ انسپکٹر رام ناتھ، راجندر اور تنویر جو اس جمعیت کے سربراہ کار تھے بتانے لگے کہ گولیوں کی آوازیں سن کر وہ گھبراہٹ میں مدد کے لئے دوڑ پڑے تھے لیکن رات ہو جانے کی وجہ سے تمام رات جنگل میں بھٹکتے رہے ہیں۔

"کتنی شاندار حماقت کی ہے آپ نے۔" خان نے رام ناتھ کو جھاڑا۔

"یہ تنویر..." رام ناتھ نے کچھ کہنا چاہا۔

"ان کے دماغ میں جرنلزم کا بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ آخر یہ ساری مصیبتیں ان ہی کھنڈروں کے اسرار کی خاطر اٹھائی جا رہی ہیں۔" خان نے تنویر کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "چلئے ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہئے۔" وہ یہ کہہ کر بغیر کچھ کھائے پئے اٹھ کھڑا ہوا اور کھنڈروں والی ۴۰ افراد کی پارٹی اپنے ساتھ لے کر باقی کو گھیرا ڈالنے اور سگنل کے لئے تیار رہنے کی ہدایت کر کے کھنڈروں کی طرف چل پڑا۔

Akram Allahabadi

خزانہ غائب

کھنڈروں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جس وقت وہ نزدیک پہنچے خان اور رام ناتھ سب سے آگے دوڑتے ہوئے کھنڈروں میں گھس گئے۔ بالے اور راجندر نے دوسری طرف رخ کیا۔ خان یہ دیکھ کر چونک پڑا۔ یہاں وہ پتھر اکھڑا پڑا تھا، رات جس پر پہلا اُلو بیٹھا دیکھا گیا تھا اور اسی پتھر پر اسے باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔ اس پتھر کے نیچے چند سیڑھیاں تھیں جو مٹی سے اٹ رہی تھیں۔ وہ انھیں صاف کر کے نیچے اترے تو ایک تنگ و تاریک کمرہ تھا جس میں کوئی دروازہ، کوئی کھڑکی نہ تھی۔ تارچ کی مدد سے خان اس کے کونے کونے کا جائزہ لینے لگا۔ تارچ کی روشنی فرش پر ایک جگہ پڑتے ہی وہ اچھل پڑا۔ موت کے دیوتا کا سرتاج یعنی وہ پتھر کا اُلو فرش پر بیچ سے برابر کے دو ٹکڑوں میں منقسم پڑا تھا۔ خان جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر آپ سے آپ اس کی نظر ایک حصہ میں بنے ہوئے ایک گڑھے پر پڑ گئی، جس کے قریب ہی ایک پرانے سے زرد کاغذ کا ٹکڑا پڑا تھا۔ یہ کاغذ اسی قسم کا تھا جیسا دستاویز کا بوسیدہ کاغذ تھا۔ تنویر بھی اندر آ چکا تھا۔ خان نے تارچ کی روشنی میں اسے پڑھنے کی کوشش کی۔ اس میں فارسی میں چھوٹی سی عبارت لکھی تھی۔

"پہلے اُلو کے پیٹ میں یہ جو چابی ہے اس سے دوسرے اُلو کی آنکھ پھوٹے گی۔"

کاغذ جیب میں رکھ کر وہ کمرے میں چاروں طرف کچھ ڈھونڈھنے لگا۔

"وہ ضرور کامیاب ہو گیا ہے۔ اسے اس خزانے کا راستہ مل چکا ہے۔" خان بڑبڑایا۔ پھر وہ اس کھنڈر سے باہر نکل کر دوسرے کھنڈر کی طرف دوڑا۔ یہاں بھی بالکل اسی طرح بیچ کا ایک پتھر کھسکا ہوا تھا اور اس کے نیچے ایسا ہی زمین دوز کمرہ تھا۔ اس میں اترنے پر بھی ایک اُلو کا مجسمہ دو حصوں میں بٹا ہوا فرش پر پڑا ملا۔ اور اسی کمرے کے ایک کونے میں ایک

Akram Allahabadi

پرانے زرد رنگ کا کاغذ کا ایک ٹکڑا مروڑا ہوا پڑا تھا جس پر لکھا تھا۔"اس کی چابی تیسرے اُلّو کا پیٹ پھاڑ دے گی۔"

اور اس طرح ہر کھنڈر میں ایک تہہ خانہ اور ایک دو ٹکڑوں میں منقسم اُلّو کا مجسمہ ملتا گیا۔بعض میں چٹھیاں نہیں ملیں لیکن خان اب سمجھ چکا تھا کہ ہر اگلے کھنڈر کے اُلّو کی چابی پچھلے کھنڈر کے اُلّو کے پیٹ میں رکھی ہوئی تھی اور یقیناً اس طرح آخری یعنی گیارہویں کھنڈر کے اُلّو کے پیٹ سے جو چابی نکلی ہوگی اس کے ساتھ ضرور اس خزانے کے متعلق آخری ہدایات بھی ہوں گی اور وہ چابی ہی خزانے کی چابی ہوگی۔لیکن یہاں نہ اسے وہ ہدایات ملیں نہ چابی اور وہ آخری طور پر سمجھ گیا کہ وہ پراسرار کیڑا خزانے تک پہنچ چکا ہے۔چنانچہ اس نے پھر جیب سے اس خاکے کی نقل نکالی جو مسودے کے تیسرے ٹکڑے سے اس نے لی تھی۔سوچتے سوچتے وہ اس کھنڈر سے باہر نکل آیا اور مغرب کی طرف اپنے قدم گنتا ہوا چلنے لگا۔چالیس قدم چلنے کے بعد اسے ایک ٹوٹے ہوئے چبوترے پر ایک ہنومان کی قد آدم مورتی رکھی نظر آئی۔

"نقشے میں چالیس کے ہندسے ضرور اس مورتی کی طرف اشارہ کر رہے ہوں گے۔"وہ ایس پی مہندر سے بولا۔

"تو پھر جو کچھ ہوگا وہ اسی مورتی میں ہوگا۔"ایس پی مہندر نے کہا۔

"اور وہ اس مورتی کو ٹٹولنے لگے لیکن اس میں کوئی چیز ایسی نہ ملی جس سے ان کے شبہ کو تقویت پہنچتی۔

"کہیں اس مورتی کی بھی آنکھ سے اس کا راز متعلق نہ ہو۔"تنویر نے پیچھے سے کہا اور خان نے غور سے دیکھا تو مورتی کی ایک آنکھ اپنی جگہ سے ذرا سی کھسکی معلوم ہو رہی تھی۔خان نے جو اس پر انگلی رکھی تو وہ اندر دب گئی اور اندر ایک خلا پیدا ہو گیا جہاں ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔خان نے مورتی کو ایک پتھر سے ٹھونکا تو اس سے اس طرح کی آواز پیدا ہونے لگی جیسے وہ کسی دھات کی بنی ہے اور اوپر سے اسے کسی مسالے سے اس طرح ڈھاک دیا گیا ہے کہ وہ

قریب سے بھی پتھر اور مسالے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔اس نے اپنی جیب سے فونٹن پن نکال لیا۔حسن اتفاق سے الٹی طرف سے پن اس سوراخ میں چلا گیا اور اسے دو تین بار دبا کر گردش دینے کے بعد اس مورتی کی پیٹھ ایک دروازے کے پٹ کی طرح کھل گئی۔وہ سب چونک پڑے۔اندر پتھر اور چونے کی سیڑھیاں بنی تھیں اور نیچے تاریکی پھیلی تھی۔لائٹر، ماچس اور ٹارچوں کی روشنی میں وہ اس میں اتر گئے۔یہ ایک بڑا تہ خانہ تھا جس میں تین مختلف سمتوں میں تین دروازے تھے یہ فولادی دروازے تھے اور ان کے کنڈوں میں وزنی تالے لٹک رہے تھے۔مگر وہ تالے کھلے ہوئے تھے۔ان تینوں کمروں میں وہ تین پارٹیاں بنا کر داخل ہو گئے۔ان میں سے ہر ایک میں تقریباً ۴ فٹ اونچا اُلو کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔اور ادھر ادھر کئی صندوق بکھرے تھے جو سب کے سب خالی تھے۔ان میں سے ایک میں صرف ایک سونے کے کور والے کمخواب کا ٹکڑا رہ گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سب کچھ نکالا جا چکا ہے۔جس کمرے میں اُلو کے مجسمہ کا ایک پر اونچا اٹھا ہوا تھا۔خان نے اسے جو اکھاڑنا چاہا تو اس کی پوری پیٹھ ہی کھل گئی۔اندر جھانکنے پر صرف چند پرانی اشرفیاں پڑی نظر آئیں جو شائد جلدی میں رہ گئی تھیں، باقی وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

بالآخر وہ مایوس ہو کر باہر نکلنے ہی والے تھے کہ تیسرے کمرے سے انھیں بالے کی آواز سنائی دی۔وہ خان کو آواز دے رہا تھا۔خان تیسرے کمرے میں گھس گیا۔اندر دروازے سے کچھ دور ایک سرکٹی لاش پڑی ہوئی تھی۔اس پر کسی ایسی دھاردار چیز سے حملہ کیا گیا تھا کہ گردن کی صرف چند رگیں الجھی رہ گئی تھیں۔

اس کا چہرہ دیکھتے ہی خان سکتے میں رہ گیا۔وہ گیارہواں اُلو تھا۔اس کی آنکھیں نیم وا رہ گئی تھیں اور اس سے کچھ دور پر اس کا پالتو اُلو مرا پڑا تھا۔اس کے سفید سے چہرے پر بعد الموت کی کیفیت اور بھیانک ہو گئی تھی۔خان جیسے ہی اس کے سر کو پلٹنے کی کوشش کرنے لگا کھردری چینی کا ایک نقلی چہرہ کٹے ہوئے سر سے لڑھک کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔گیارہواں

اُلو بے نقاب ہو گیا تھا۔

"پروفیسر ارسلان!" خان اچھل پڑا۔ سب چونک کر اس کی لاش پر جھک گئے۔ وہ واقعی ارسلان تھا۔ بالکل وہی۔

"اس لاش کو فوراً باہر لے چلئے گا۔" ایس پی مہندر نے سب انسپکٹر راجندر کو حکم دیا۔ پروفیسر ارسلان کی دوبارہ موت دیکھ کر ان کی عقلیں چکرا گئی تھیں۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جسے اٹھارہ دن قبل وہ خود دفنا چکے ہیں، وہ دوبارہ کیسے ان کے سامنے موجود تھا اور وہ بھی اس پراسرار حالت میں۔

"اس واردات کو ابھی بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ ضرور خزانہ لوٹ کر اور اس کا خون کر کے قاتل ابھی ان پہاڑی علاقوں کی حدود سے باہر نکلا ہو گا۔"

"لیکن ہم نے گھیرا تو ڈال رکھا ہے۔"

"وہ یقیناً اتنی آسانی سے قبضہ میں نہ آئے گا۔"

"مگر یہ تو ایک اسرار اور بڑھ گیا۔"

"اسرار سب حل ہو چکے ہیں۔ وہ نو آدمی جو کل رات تک تاریخی اُلوؤں کی حیثیت سے ان کھنڈروں میں اپنے اپنے اڈے کی حفاظت کر رہے تھے، پہلے ہی نکل گئے ہوں گے یا بھیج دیے گئے ہوں گے اور دسواں جو پناژم کے زیر اثر نہیں تھا، وہ اس گیارہویں اُلو کا ساتھی رہا ہو گا۔"

"اسے ارسلان ہی کہیے نا۔" انسپکٹر رام ناتھ نے لقمہ دیا۔

"اس سے پہلے کہ میں اس کی قبر کھدوا کر لاش کا دوبارہ معائنہ نہ کر لوں، یقینی طور پر ارسلان نہیں کہہ سکتا۔" خان نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ دوسرا نیا قاتل کون پیدا ہوا ہے۔"

"پروفیسر نومان۔" خان نے جواب دیا۔

''عجیب عجیب باتیں ہیں۔میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔''ایس پی مہندر جھنجھلا اٹھا۔

''جلد ہی سمجھ جائیں گے آپ۔''وہ بولا۔

''رام ناتھ تم اور بالے چند آدمی لے کر جس قدر جلد ہو سکے پہاڑیوں کو کراس کر کے ڈاک بنگلے تک پہنچو۔وہ دو سے زیادہ ہی ہوں گے کیونکہ یہاں سے کافی خزانہ لے جایا گیا ہے اور صرف وہی ایک ایسا راستہ ہے جو انھیں جلد ان حدود سے باہر لے جا سکتا ہے۔مجھے یقین ہے کہ وہ دسواں اُلّو جو اس کبڑے کا ساتھی تھا ضرور اس سے غداری کر کے نومان سے مل گیا ہے، ورنہ اس قدر پراسرار ہستی کی موت اس طرح نہ واقع ہوتی۔''خان نے اسے ہدایت کی۔

''بہت خوب۔''رام ناتھ نے کہا اور اسی وقت وہ اور بالے چھ سات مسلح سپاہیوں کو ساتھ لے کر یہاں سے روانہ ہو گئے۔بجائے ایک کے قبائلیوں کو بہت سے پتھر کے اُلّو دے دیے گئے اور وہ ساری دشمنی بھول کر خوش ہو گئے۔کاہن اور پہاڑی سرداروں کو چھوڑ دیا گیا۔

تقریباً دن کے دو بجے پولیس پارٹی ٹنڈیا کے اس علاقہ سے واپس لوٹی۔ڈاک بنگلہ پر بھی کچھ نہ معلوم ہو سکا۔بالے اور رام ناتھ نے یہاں بھی آس پاس کا علاقہ چھان مارا تھا لیکن ڈاک بنگلہ کے بوڑھے چوکیدار نے صرف اتنا بتایا کہ چند گھنٹے قبل ادھر سے ایک کار گذری ہے جس میں بہت سا سفری سامان لدا ہوا تھا۔کار کا رنگ سبز تھا۔اس کا نمبر نہ اس نے دیکھا نہ بتا سکا۔

''سبز رنگ۔''خان سوچ میں پڑ گیا۔''ضرور وہ نومان کی ہی کار ہو گی۔چلیے وہ نکل گیا۔ہمیں فوراً شہر پہنچنا چاہئے ورنہ وہاں سے بھی وہ نکل جائے گا۔''خان نے اسی وقت اپنی ڈاک بنگلہ کے پاس کھڑی ہوئی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ایس پی مہندر، بالے اور تنویر اس کے

ساتھ بیٹھ گئے ۔باقی پولیس فورس اپنی کاروں اورٹرکس میں سوار ہو گئی اور وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے ۔

یہ ایک حسن اتفاق تھایا قدرت کی دی ہوئی سزا ۔خان اوراس کے ساتھی نومان کے اس طرح نکل جانے پراداس تھے اوران کی گاڑیاں آگے پیچھے پہاڑی اونچائی سے ڈھلوان کی طرف دوڑ رہی تھیں کہ اچانک ایک جگہ خان نے زور سے فٹ بریک دبا کر گاڑی روک لی ۔پچھلی گاڑیاں اگر زیادہ فاصلہ پر نہ ہوتیں تو یقیناً آپس میں ٹکرا جاتیں ۔وہ گاڑی سے اتر کر تیزی سے ڈھلوان کی طرف دوڑا ۔بالے،تنویر اورایس پی مہندر بھی بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کے پیچھے دوڑ پڑے ۔باقی لوگ حیرت سے انھیں دیکھ رہے تھے ۔خان سڑک پر کسی گاڑی کے تیزی سے ڈھلوان کی طرف گھومنے اور بریک لگائے جانے سے کنارے کی دھول میں پڑ جانے والے ٹائروں کے گڑھے دیکھ کر یہاں گاڑی روک کر دوڑا تھا اوراس کا اندازہ صحیح نکلا ۔کچھ نیچے ڈھلوان سے لڑھک کرایک سبز رنگ کی کار الٹی ہوئی ،چند ٹوٹ جانے والے درختوں میں الجھی پڑی تھی ۔اس کے نزدیک ہی ایک لاش پڑی تھی جو گاڑی کے ایک حصہ سے دب کر کچل گئی تھی اوراس کا ایک بازو اب بھی اس میں دبا ہوا تھا ۔یہ وہی دسواں اُلو تھا جسے کل رات کھنڈر میں دیکھا گیا تھا ۔گاڑی کے ادھر ادھر اوراندر بہت سی گٹھریاں اور دو چار بہت پرانے صندوق بکھرے پڑے تھے ۔کچھ اشرفیاں دور تک بکھر گئی تھیں ،لیکن نومان کا یہاں بھی پتہ نہ تھا ۔

"یہ وہی گاڑی اور وہی خزانہ ہے ۔" خان نے کہا ۔مگر اس کی نظر اس لاش کے نزدیک ایک پتھر کے نیچے دبے ہوئے ایک کاغذ پر پڑ گئی ۔اسے نکال کر دیکھا ۔اس پر کسی کے خون سے لکھا گیا تھا:

مسٹر خان!

ارسلان نے اپنے بھتیجے کو بلا کر اسے اپنا ہم شکل بنا کر قتل کیا تھا تا کہ ایک طرف ہمیں اس کی موت کا یقین ہو جائے اور ہم اس خزانے کا تصور چھوڑ دیں جس کے اصل کاغذات

ارسلان ہی کے پاس تھے اور دوسرے پولیس ہمیں ارسلان کے قتل کے شبہ میں گرفتار کر لے تا کہ اس کا راستہ صاف ہو جائے۔ لیکن وہ ہم سے غداری کر کے کامیاب نہ ہو سکا۔ آج میں نے اپنے ساتھی داؤد کا بھی انتقام اس سے لے لیا ہے، جو غریب محض اس لئے مارا گیا تھا کہ خزانے کے راز کا منبع، اُلّو کا مجسمہ، وہ چرا لایا تھا۔ بہر حال وہ چالاک کبڑا اور تاریخی اُلّو اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا ہے اور میں نے اگر چہ ایک قاتل کو قتل کیا ہے، لیکن جانتا ہوں کہ قانون مجھے نہ چھوڑے گا۔ کاش قدرت میرے ساتھ آخری وقت یہ مذاق نہ کرتی تو آج یہ بے شمار دولت میری تھی۔ پھر بھی اس میں سے حسب ضرورت ساتھ لے جا رہا ہوں۔ مجھے تلاش کرنے کوشش بے سود ہوگی کیونکہ اس وقت تک بی او سی ہندوستان کی حدود بھی چھوڑ چکا ہوگا۔

فقط

بدقسمت نومان

"بی او سی کا مڈل ایسٹ سروس طیارہ صبح ساڑھے گیارہ بجے یہاں سے جاتا ہے اور یقیناً وہ ہندوستان کی سرحدیں پار کر چکا ہوگا۔" خان نے سرد آہ بھری۔

"تو اس قدر اداسی کیوں۔ آخر تم نے اس اسرار کے بھی پرخچے اڑا دیے۔ خزانہ بھی مل گیا۔ اور قاتل و مقتول کا جھگڑا بھی ختم۔"

"نہیں، میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔ لیکن اس کے لئے مجھے ہندوستان چھوڑنا پڑے گا۔" خان ایک ہاتھ کی مٹھی بھینچتے ہوئے بولا۔

"کیوں جھینپ مٹا رہے ہیں ایجی۔" بغل سے تنویر بول پڑا۔ ایس پی مہندر ہنس پڑے۔

"تب تو تم بھی ساتھ چلو گے۔" خان نے مسکرا کر اس کی گردن تھام لی۔

"نا نا، بابا، بندہ اس دوستی سے مستعفی ہوتا ہے۔ میں اپنے ماں باپ کی فاضل اولاد نہیں ہوں۔" تنویر نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس سے پیچھا چھڑایا۔

Akram Allahabadi